بانی ومہتمم :مفتی محمد رضا قادری نقشبندی مصباحی خلیفہ حضور شیخ العالم وسربراہ اعلیٰ علما کونسل نیپال بفیض روحانی : مجمع الفضائل والبرکات،مظہر کمالات امام ربانی حضور شیخ العالم مولانا شاہ احمد رضا نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ قیادت :قائد ملت نیپال حضرت مولاناالحاج سید غلام حسین مظہری مرکزی صدر علما کونسل نیپال

Reg.No: 5310 -2082/2083

ہفت روزہ نیپال اردو ٹائمز

Weekly The NEPAL URDU TIMES

شمارہ نمبر 2 ISSUE(2)

13/اگست 2026 مطابق 28/صفر المظفر 1448ھ/28 گتے ساون

12 صفحات

چیف ایڈیٹر: عبدالجبار علیمی نظامی
weeklynepalurdutimes@gamil.com

جلد نمبر 2 VOL:(2)

صحیح وقت آنے میں کچھ وقت لگتا ہے۔ دیر ہو سکتی ہے، مگر غلط نہیں ہوگا۔ وزیر اعظم

احمد رضا ابن عبدالقادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

وزیر اعظم بالیندرا شاہ (بالین شاہ) نے حال ہی میں سوشل میڈیا پر قوم کے نام ایک انتہائی جذباتی اور اہم پیغام شیئر کیا ہے، جس میں انہوں نے لکھا: " صحیح وقت آنے میں کچھ وقت لگتا ہے۔ دیر ہو سکتی ہے، مگر غلط نہیں ہوگا۔ وزیر اعظم بالن شاہ نے موجودہ سیاسی اور سماجی صورت حال کے تناظر میں عوام سے صبر اور حوصلے کا دامن تھامے رکھنے کی تلقین کی ہے۔ جمعے کی شب فیس بک پر جاری کیے گئے ویڈیو پیغام میں انہوں نے کہا کہ درست وقت کے آنے میں کچھ دیر ضرور لگ سکتی ہے، لیکن انجام غلط نہیں ہوگا۔ یہ پیغام انہوں نے اپنی ہی سیاسی جماعت، راشٹریہ سواتنترہ پارٹی کے اراکینِ پارلیمنٹ کی جانب سے حکومت پر کی جانے والی تنقید اور ملک کی موجودہ سیاسی صورتحال کے تناظر میں جاری کیا۔ ان کی اپنی ہی جماعت کے اندر سے حکومت کی کارکردگی اور کام کرنے کے طریقے پر سوالات اٹھائے جا رہے تھے۔ وزیر اعظم نے اپنے پیغام میں براہ راست عوام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ انہیں گھبرانے یا مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ انہوں نے کہا: درست وقت کے آنے میں کچھ وقت لگتا ہے۔ دیر ہو سکتی ہے، لیکن غلط نہیں ہوگا۔ گھبرائیے نہیں۔ جو کچھ سننے اور دیکھنے میں آتا ہے، حقیقت بعض اوقات اس سے مختلف ہوتی ہے۔ وزیر اعظم کے مطابق موجودہ حالات میں افواہوں اور قیاس آرائیوں پر توجہ نہ دی جائے بلکہ حکومت کے اقدامات پر اعتماد رکھا جائے۔ اپنے پیغام میں بالین شاہ نے یہ بھی کہا کہ قیادت کے راستے میں تنہائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کبھی کبھار اکیلے بھی لڑنا پڑتا ہے، اور یہ میرے لیے پہلی مرتبہ نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ انہیں ماضی میں بھی اس طرح کے حالات کا سامنا رہا ہے اور وہ عوام کی حمایت سے ہر چیلنج کا مقابلہ کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ صحیح فیصلوں اور مثبت تبدیلیوں کے نتائج سامنے آنے میں کچھ وقت لگ سکتا ہے، اس لیے گھبرانے یا مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو کچھ میڈیا یا سوشل میڈیا پر دیکھا اور سنا جا رہا ہے، حقیقت اس سے بالکل مختلف ہو سکتی ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ بعض اوقات مقصد کی خاطر اکیلے بھی لڑنا پڑتا ہے، اور یہ ان کے لیے کوئی پہلا موقع نہیں ہے۔ حکومتی ذرائع کا کہنا ہے کہ وزیر اعظم جلد ہی قوم سے تفصیلی خطاب کریں گے جس میں موجودہ صورتحال پر کھل کر بات کی جائے گی۔

نیپال مسلم کمیشن کی سالانہ رپورٹ صدر رام چندر پوڈیل کو پیش

احمد رضا ابن عبدالقادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز

کاٹھمانڈو نیپال مسلم کمیشن نے اپنی سالانہ رپورٹ صدر رام چندر پوڈیل کو پیش کر دی ہے۔ یہ رپورٹ ۱۰ اگست ۲۰۲۶ کو کاٹھمانڈو میں واقع صدارتی محل شیتل نواس میں منعقدہ ایک خصوصی تقریب کے دوران کمیشن کے قائم مقام چیئرمین محمد دین علی نے صدر کو سونپی۔ صدارتی محل شیتل نواس میں ہوئی اس تقریب میں مسلم کمیشن کے چیئرمین محمد دین علی اور کمیشن کے دیگر اراکین نے شرکت کی۔ صدر رام چندر پوڈیل نے رپورٹ وصول کرتے ہوئے کمیشن کی کاوشوں کو سراہا۔

صدر نے کہا: نیپال کی قومی وحدت کثیر المذہبی اور کثیر الثقافتی رواداری سے ہے۔ مسلم برادری اس قوم کا اہم حصہ ہے۔ کمیشن کی رپورٹ حکومت کے لیے رہنما دستاویز ثابت ہوگی۔ گزشتہ مالی سال کی کارکردگی پر مبنی اس رپورٹ میں کمیشن نے ۵ بڑے شعبوں میں سفارشات دیں۔ ۱: مسلم طلبہ کے لیے ہاسٹل اسکالرشپ اور مدرسہ ماڈر نائزیشن پروگرام کو بجٹ میں ترجیح دی جائے۔ سرکاری اسکولوں میں اردو اور عربی زبان کی تعلیم کا انتظام ہو۔ ۲: سول سروس پولیس اور سفارتکاری میں مسلم نمائندگی موجودہ ۲ فیصد سے بڑھا کر آبادی کے تناسب تک لائی جائے۔ ہنر مند تربیت کے لیے خصوصی سینٹر بنائے جائیں۔ ۳: مساجد عیدگاہوں اور قبرستانوں کی زمینوں کی رجسٹریشن اور تحفظ کے لیے الگ قانون سازی کی جائے۔ مذہبی تہواروں پر سرکاری تعطیل کا اعلان ہو۔ ٤: ترائی کے مسلم اکثریتی اضلاع میں صحت مراکز اور صاف پانی کی سہولت بہتر کی جائے۔ پسماندہ بستیوں میں ترقیاتی بجٹ بڑھایا جائے۔ ۵: نفرت انگیز بیانات اور امتیازی سلوک روکنے کے لیے قانون کو سخت کیا جائے۔ بین المذاہب مکالمے کے پروگراموں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ صدر رام چندر پوڈیل نے یقین دلایا کہ رپورٹ کا مطالعہ کر کے اسے متعلقہ وزارتوں کو بھیجا جائے گا۔ آئین نے تمام شہریوں کو مساوی حقوق دیے ہیں۔ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ کوئی بھی برادری پیچھے نہ رہ جائے۔

ملک بھر میں آفات سے نمٹنے کے لیے ٢٦ ہزار سیکیورٹی اہلکار ہائی الرٹ، ٹول فری نمبر فعال: وزیر داخلہ

احمد رضا ابن عبدالقادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

وزیر داخلہ سودن گرونگ کی زیر صدارت سنگھ دربار میں نیشنل ڈیزاسٹر رسک ریڈکشن اینڈ مینجمنٹ اتھارٹی کا ایک اعلیٰ سطحی اجلاس ہوا، جس میں مون سون کے دوران ممکنہ طوفانی بارشوں، سیلاب اور لینڈ سلائیڈنگ سے نمٹنے کے لیے جامع آپریشنل پلان کی منظوری دی گئی ہے۔ وزیر داخلہ سودن گرونگ نے پارلیمنٹ (نیشنل اسمبلی) کو بریفنگ دیتے ہوئے تصدیق کی ہے کہ آفات سے نمٹنے کے لیے بجٹ کی کوئی کمی نہیں ہے: انہوں نے کہا کہ حکومت نے ملک بھر کے ہائی رسک (شدید خطرے والے) علاقوں میں مجموعی طور پر ٢٦،٢١٩ سیکیورٹی اہلکار ہائی الرٹ پر رکھے ہیں، جنہیں تینوں فورسز سے لیا گیا ہے۔ کسی بھی بڑے سرچ اور ریسکیو آپریشن کے لیے مرکزی کمانڈ سنبھالے گی۔ مقامی سطح پر فوری مدد، انخلا اور امن و امان برقرار رکھنے کے لیے فرنٹ لائن پر رہے گی۔ ڈیزاسٹر مینجمنٹ کی خصوصی تربیت یافتہ فورس کے طور پر کام کرے گی۔ گہرے پانی اور سیلابی ریلوں میں پھنسے لوگوں کو نکالنے کے لیے ١٣٤ ماہر غوطہ خور بوٹس اور ضروری آلات کے ساتھ ہائی الرٹ ہیں۔ لینڈ سلائیڈنگ (مٹی کے تودے گرنے) کی وجہ سے بند ہونے والی شاہراہوں اور رابطہ سڑکوں کو فوری کھولنے کے لیے بھاری مشینری (مثلاً بلڈوزر اور کرینیں) شاہراہوں کے قریب اسٹریٹجک پوائنٹس پر کھڑی کر دی گئی ہیں تاکہ سپلائی لائنز متاثر نہ ہوں۔ وزیر داخلہ نے سخت ہدایت جاری کی ہے کہ ہیلی کاپٹرز کو وزراء یا سرکاری حکام کے "غیر ضروری فضائی معائنوں یا پروٹوکول" کے لیے استعمال نہیں کیا جائے گا، بلکہ یہ صرف اور صرف عوامی ریسکیو کے لیے مختص رہیں گے۔ کسی بھی ہنگامی صورتحال، سیلاب کی پیشگی اطلاع یا ریسکیو کی درخواست کے لیے نیشنل ایمرجنسی آپریشن سنٹر اور ٹول فری نمبرز کو ضلعی کنٹرول رومز کے ساتھ لنک کر دیا گیا ہے تاکہ عوام چوبیس گھنٹے لائیو اپڈیٹس اور مدد حاصل کر سکیں۔

حکومت اپنے مقاصد سے ہٹتی ہے تو ہم مداخلت کریں گے: روی لامیچھانے

احمد رضا ابن عبدالقادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز

کاٹھمانڈو راشٹریہ سواتنترپارٹی کے چیئرمین روی لامیچھانے کا یہ بیان موجودہ مخلوط حکومت کی کارکردگی اور وعدوں پر نظر رکھنے کے حوالے سے سامنے آیا ہے۔ انہوں نے واضح کیا ہے کہ اگر حکومت اپنے طے شدہ مقاصد، منشور اور عوامی وعدوں سے پیچھے ہٹتی ہے تو ان کی پارٹی خاموش نہیں بیٹھے گی بلکہ مداخلت کر کے حکومت کو سیدھے راستے پر لائے گی۔ روی لامچھانے نے کاٹھمنڈو میں ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے گورننس کے نظام پر بات کی۔ انہوں نے کہا کہ اگر نئی نسل کی قیادت اور حکومت اپنے ٹریک سے اترتی ہے، تو آر ایس پی کے پاس اتنی صلاحیت اور طاقت موجود ہے کہ وہ "حکومت کے کان پکڑ کر اسے دوبارہ صحیح راستے پر لا سکے۔ ملک میں پھیلی ہوئی سیاسی عدم استحکام کی افواہوں کو مسترد کرتے ہوئے انہوں نے حکومت چلانے کے عمل کو ہوائی سفر سے تشبیہ دی۔ ان کا کہنا تھا کہ: دورانِ سفر موسم کی خرابی یا تکنیکی مسائل کی وجہ سے آنے والے جھٹکوں سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ ان معمولی جھٹکوں کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ جہاز گرنے والا ہے۔ عوام کو چاہیے کہ وہ اپنی سیٹ بیلٹ باندھے رکھیں، حکومت ملک کو محفوظ طریقے سے منزل مقصود تک پہنچائے گی۔ روی لامیچھانے نے اپنی پارٹی کے وزراء اور نوجوان اراکینِ پارلیمنٹ کو بھی خبردار کیا کہ یہ عہدوں پر بیٹھ کر جشن منانے کا وقت نہیں بلکہ نتائج دینے کا وقت ہے۔ انہوں نے یاد دلایا کہ اگر یہ نوجوان قیادت کارکردگی دکھانے میں ناکام رہی، تو مستقبل میں یہ بیانیہ قائم ہو جائے گا کہ "سیاست تجربہ کاروں کا کام ہے، نوجوانوں کا نہیں"، جس سے آنے والی نسلوں کے لیے راستے بند ہو جائیں گے۔ انہوں نے یقین دہانی کرائی کہ حکومت عوامی فلاح کے لیے پر عزم ہے۔ اگر حکومت کا کوئی بھی فیصلہ یا وزارتوں کی سستی عوام کے لیے مشکلات کا باعث بنتی ہے، تو آر ایس پی فوری طور پر متعلقہ وزارتوں میں مداخلت کر کے ان پالیسیوں کو تبدیل یا درست کروائے گی

روس پر پابندیوں سے متعلق نیا بل لانے پر امریکہ کو چین کا انتباہ

واشنگٹن: (ایجنسیاں) امریکہ کی جانب سے روس پر نئی پابندیاں عائد کرنے سے متعلق نیا بل متعارف کرانے پر چین نے خبردار کیا ہے کہ بیجنگ اپنے جائز مفادات کے تحفظ کے لیے ضروری اقدامات کرے گا۔ امریکہ میں چینی سفارتخانے نے واضح کیا ہے کہ چین اس طرح کی پابندیوں کی مخالفت کرتا ہے۔ واشنگٹن میں چینی سفارتخانے کے ترجمان لیو چانگ نے منگل کو ریانووستی کو بتایا کہ اگر امریکہ ماسکو کے خلاف پابندیوں سے متعلق نیا بل پیش کرتا ہے، جس کے تحت روس سے توانائی کے وسائل خریدنے والے ممالک پر محصولات عائد کیے جائیں گے، تو چین اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے ضروری اقدامات کرے گا۔

غزہ میں سعودی امداد سے شروع کئے گئے اسکولوں میں داخلے

غزہ/ریاض: (ایجنسیاں) سراقہ رضوی کی رپورٹ

جنگ زدہ غزہ جہاں لاکھوں بچوں کے کئی تعلیمی سال اسرائیل نے دو سال سے طویل جنگ میں برباد اور غزہ کا تعلیمی انفراسٹرکچر تباہ کر دیا ہے میں ایک بار پھر تعلیمی شروعات ہو رہی ہیں۔ اس سلسلے میں شاہ سلمان ریلیف کے زیر اہتمام بچوں کو تعلیم دینے کی تیاری کی جارہی ہے۔ یہ سعودی مدد سے چلایا جانے والا منصوبہ ہے۔ شاہ سلمان ریلیف بچوں کی تعلیم کیلئے محفوظ ماحول کے اہتمام کیلئے کوشاں ہے۔ سعودی مرکز برائے ثقافتی ورثہ اس سلسلے میں شاہ سلمان ریلیف کا غزہ کی پٹی میں شراکت دار ہے۔ اس پلیٹ فارم سے غزہ کے بچوں کی تعلیم پھر سے شروع کرنے کیلئے بچوں کی رجسٹریشن شروع کر دی گئی ہے۔ ان اسکولوں کو مکہ اسکول کا نام دیا جارہا ہے۔ ایک اسکول میں 1000 بچے اور بچیاں تعلیم پا سکیں گے۔ جبکہ ان 1000 بچوں کیلئے 32 معلمین فراہم ہوں گے۔ یہ گنجائش 4000 بچوں تک بڑھائی جائے گی۔ ابراہیم رمضان مشرقی خان یونس میں تعلیمی شعبے میں ڈائریکٹر ہیں، انہوں نے اسکولوں کے اس آغاز کی اطلاعات کو خوش آئند قرار دیا۔ انہوں نے کہا اس سے غزہ میں تعلیمی شعبے کو پھر سے کھڑا کرنے میں مدد ملے گی۔ یہ سارے انیشیٹیو شاہ سلمان ریلیف کے اس بین الاقوامی ادارے کی طرف سے چل رہے ہیں۔

ایران نے خود کو ناقابلِ شکست ثابت کر دیا: عراقچی

تہران: (ایجنسیاں) ایرانی وزیرِ خارجہ عباس عراقچی نے کہا ہے کہ ایران نے خود کو ناقابلِ شکست طاقت ثابت کر دیا ہے۔ ایرانی میڈیا کے مطابق ایرانی وزیرِ خارجہ عباس عراقچی نے پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایران نے دنیا کو دکھا دیا کہ ایران ایک مضبوط اور ناقابلِ شکست طاقت ہے۔ انہوں نے کہا کہ مختلف ممالک کے وزرائے خارجہ اور دیگر حکام بھی اس بات کا اعتراف کر چکے ہیں، مختلف ممالک کے حکام نے کہا کہ ایرانیوں نے معجزہ کر دکھایا، پوری دنیا کو حیران کر دیا۔ عراقچی نے کہا کہ کسی کو توقع نہیں تھی کہ ایران اس طرح امریکہ کے سامنے مزاحمت کر سکتا ہے، امریکہ کو اسرائیل، مغربی دنیا اور بعض دیگر ممالک کی حمایت حاصل ہے۔ عباس عراقچی نے یاد دلایا کہ امریکی صدر نے جنگ کے آغاز میں ایران سے غیر مشروط ہتھیار ڈالنے کا مطالبہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ امریکی صدر نے جنگ کے آغاز میں سوشل میڈیا پر لکھا تھا کہ غیر مشروط ہتھیار ڈال دو۔ ایرانی وزیرِ خارجہ نے یہ بھی کہا کہ وہ ہم سے یہی چاہتے تھے، لیکن 20 دن بعد یہی دشمن مذاکرات کے لیے منت سماجت کر رہا تھا

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز
Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com

امریکہ کے رویہ بدلنے تک آبنائے ہرمز بند رہیگی: رضائی

تہران: (ایجنسیاں) ایران کی سپریم نیشنل سکیورٹی کونسل کے سکریٹری جنرل میجر جنرل محسن رضائی نے کہا ہیکہ جب تک امریکہ اپنے رویہ میں تبدیلی نہیں لاتا اور ایران کی شرائط کو تسلیم نہیں کرتا اس وقت تک آبنائے ہرمز بند رہے گی۔ میڈیا کے مطابق محسن رضائی نے کہا کہ امریکہ کو جنگ کا خاتمہ کرنا چاہئے اور بیرون ملک منجمد ایرانی اثاثوں کو بحال کرنا چاہئے جبکہ دیگر شرائط کے بارے میں امریکہ کو ثالثوں کے ذریعہ آگاہ کر دیا گیا ہے۔ امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ نے منگل کو کہا تھا کہ امریکہ کو مذاکرات کے معاملے میں ایران کے انداز پر مایوسی ہے اور انہوں نے تہران پر الزام لگایا کہ وہ بات چیت کے دوران سچا نہیں ہے اور ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے۔ وائس آف امریکہ پروگرام میں گفتگو کرتے ہوئے ٹرمپ نے اس بات پر زور دیا کہ ایرانی مذاکراتی کمروں کے اندر ہمارے ساتھ اتفاق کرتے ہیں پھر میڈیا کے ذریعہ طے شدہ امور کا انکار کر دیتے ہیں اور انہوں نے انہیں انتہائی مکار مذاکار اور انتہائی بے ایمان لوگ قرار دیا۔ پاکستانی وزیر دفاع خواجہ آصف نے منگل کو شائع ہونے والے بلومبرگ نیوز کو دیئے گئے ایک انٹرویو میں کہا کہ امریکہ اور ایران اپنے درمیان کشیدگی کو حل کرنے کیلئے کسی نہ کسی قسم کے انتظامات تک پہنچنے کے قریب ہیں۔ انہوں نے بلومبرگ کو بتایا کہ معاملات ایک بار پھر امن معاہدے یا سمجھوتے کی طرف جارہے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ پچھلے دو یا تین دنوں کے اشارے یہ بتاتے ہیں کہ ہم کسی نہ کسی قسم کے انتظام تک پہنچنے کے قریب تر ہو رہے ہیں۔ امریکہ اور ایران کے تنازعہ میں ثالثی کا کردار ادا کرنے والے پاکستانی وزیر دفاع کا کہنا تھا کہ ایک پائیدار امن کا قیام مشرق وسطیٰ کے خطہ کے مفاد میں ہے۔ اس سے قبل ایرانی وزارت خارجہ کے ترجمان اسماعیل بقائی نے اعلان کیا تھا کہ ایرانی وزیر خارجہ عباس عراقچی اور ایرانی پارلیمنٹ کے اسپیکر محمد باقر قالیباف کو پاکستان کے دورے کی دعوتیں موصول ہوئی ہیں اور انہوں نے اشارہ کیا کہ وہ مناسب وقت پر ایسا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یاد رہے کہ فروری کے مہینے میں دونوں کے درمیان جنگ شروع ہونے کے بعد سے پاکستان تہران اور واشنگٹن کے درمیان ثالثی کا کردار ادا کر رہا ہے۔ دونوں فریقوں نے جون کے مہینے میں فائرنگ بندی کے ایک معاہدے پر اتفاق کیا تھا تاہم وہ برقرار نہ رہ سکا کیونکہ جولائی کے مہینے میں اس کی خلاف ورزی کر دی گئی تھی

جنوبی کوریا کے جوہری آبدوز منصوبے پر شمالی کوریا برہم، دی دھمکی

سیول: (ایجنسیاں) شمالی کوریا نے جنوبی کوریا کی جوہری توانائی سے چلنے والی آبدوز تیار کرنے کے منصوبے کی سخت مخالفت کی ہے۔ پیانگ یانگ نے اسے جوہری ہتھیاروں کی صلاحیت حاصل کرنے کی سمت ایک قدم قرار دیتے ہوئے خبردار کیا ہے کہ ممکنہ خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے وہ 'بے مثال جوابی طاقت' تیار کرے گا۔ جنوبی کوریا کی سرکاری خبر رساں ایجنسی یونہاپ کے مطابق، شمالی کوریا کی سرکاری خبر رساں ایجنسی کے سی این اے میں شائع ایک تبصرے میں وزارت خارجہ کے فرسٹ وائس منسٹر جانگ کم چول نے جنوبی کوریا اور امریکہ کے درمیان جوہری تعاون کو نشانہ بنایا۔ انہوں نے الزام عائد کیا کہ سیول جوہری مواد کی پیداوار اور جوہری ہتھیار حاصل کرنے کی سمت آگے بڑھ رہا ہے۔ جانگ کم چول نے دعویٰ کیا کہ جنوبی کوریا کا مقصد جوہری ایندھن کی دوبارہ پروسیسنگ اور یورینیم افزودگی پر عائد پابندیوں سے آزاد ہو کر جوہری مواد تیار کرنے کی صلاحیت حاصل کرنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ کے ساتھ جنوبی کوریا کا جوہری تعاون جزیرہ نما کوریا میں عدم استحکام کو بڑھا سکتا ہے۔ شمالی کوریا نے اسے اپنی سلامتی اور سمندری خود مختاری کے لیے سنگین چیلنج قرار دیا ہے۔ شمالی کوریا کے عہدیدار نے خبردار کیا کہ پیانگ یانگ تمام موجودہ اور ممکنہ خطرات کو بے اثر کرنے کی صلاحیت حاصل کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ ملک کی اسٹریٹجک خود مختاری اور سلامتی کو چیلنج کرنے والی کسی بھی فوجی کارروائی کا ایسا جواب دیا جائے گا کہ مخالف دوبارہ کھڑے ہونے کی پوزیشن میں نہ رہے۔ جنوبی کوریا نے مئی میں 'جانگ بو گو این' پروگرام کا اعلان کیا تھا۔ اس کے تحت ملک اپنی پہلی جوہری توانائی سے چلنے والی آبدوز تیار کرے گا۔ جنوبی کوریا کا کہنا ہے کہ یہ منصوبہ شمالی کوریا سمیت خطے میں بڑھتے ہوئے فوجی خطرات سے نمٹنے اور اپنی بحری دفاعی صلاحیتوں کو مضبوط بنانے کی حکمت عملی کا حصہ ہے۔ امریکہ نے اس منصوبے کو آگے بڑھانے کے لیے جنوبی کوریا کو منظوری دے دی ہے۔ دونوں ممالک نے گزشتہ سال اکتوبر میں دونوں رہنماؤں کے درمیان طے پانے والے دفاعی معاہدے کو عملی شکل دینے کی سمت ابتدائی بات چیت بھی شروع کر دی ہے۔ جنوبی کوریا کے منصوبے کے مطابق پہلی نیوکلیئر پاورڈ سب میرین کو 2030 کی دہائی کے وسط تک لانچ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد اسے دہائی کے اختتام تک باقاعدہ آپریشنل سروس میں شامل کرنے کا ہدف رکھا گیا ہے۔ جنوبی کوریا کے اس اہم آبدوز منصوبے اور شمالی کوریا کے سخت رد عمل سے جزیرہ نما کوریا میں فوجی کشیدگی کے ساتھ ساتھ جوہری اور بحری سلامتی سے متعلق خدشات میں بھی اضافہ ہو سکتا ہے۔

.بیلسٹک میزائل اور خلائی لانچ سے 24 گھنٹے قبل اطلاع دینے کا مطالبہ

استنبول: (ایجنسیاں)

41 ممالک کے ایک گروپ نے جوہری ہتھیار رکھنے والے ممالک سے طویل فاصلے تک مار کرنے والے .بیلسٹک میزائلوں اور خلائی لانچ سے کم از کم 24 گھنٹے قبل اطلاع دینے کا مطالبہ کیا ہے۔ گروپ نے خبردار کیا ہے کہ پیشگی اطلاع کے بغیر میزائل تجربات علاقائی امن اور عالمی سلامتی کے لیے سنگین خطرات پیدا کر سکتے ہیں۔ ترکی کی سرکاری خبر رساں ایجنسی اناد ولو اور دیگر میڈیا رپورٹس کے مطابق، جنیوا میں منعقدہ تخفیف اسلحہ کانفرنس میں دیے گئے مشترکہ بیان میں ممالک نے میزائلوں کے پھیلاؤ سے متعلق بڑھتی ہوئی تشویش پر زور دیا۔ یہ بیان منگل کے روز بین الاقوامی تنظیموں میں امریکی مشن کی جانب سے جاری کیا گیا۔

بیان میں دستخط کنندہ ممالک نے .بیلسٹک میزائلوں کے پھیلاؤ کے خلاف ہیگ ضابطہ اخلاق (ایچ سی او سی) سمیت شفافیت اور اعتماد سازی کے اقدامات پر عمل کرنے کی اپیل کی۔ ان ممالک نے کہا کہ مناسب پیشگی اطلاع اور ضروری تفصیلات کے بغیر جوہری صلاحیت رکھنے والے .بیلسٹک میزائلوں کا تجربہ خطرناک ہے۔ اس سے تجربے کے علاقے کے آس پاس موجود ممالک کے امن اور سلامتی کو متاثر کیا جا سکتا ہے۔

گروپ نے بحر الکاہل کے خطے میں حال ہی میں کیے گئے بغیر پیشگی اطلاع کے میزائل تجربات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ تصادم سے بچنے کے لیے قائم طریقہ کار پر عمل نہ کرنے سے غلط فہمی کا خطرہ بڑھتا ہے اور عالمی استحکام کمزور ہوتا ہے۔

یہ مشترکہ بیان ایسے وقت میں آیا ہے جب چین نے 6 جولائی کو بحر الکاہل کے کھلے سمندر میں اچانک ایک ایس ایل بی ایم لانچ کیا تھا، جس پر امریکہ اور دیگر ممالک نے تنقید کی تھی۔ بیان میں ممالک نے چین کا نام نہیں لیا۔ ستمبر 2024 میں بحر الکاہل میں ایک بین البر اعظمی .بیلسٹک میزائل (آئی سی بی ایم) کے تجربے کے بعد یہ چین کا دوسرا اسٹریٹجک میزائل تجربہ تھا۔ ستمبر 2024 کا تجربہ 1980 کے بعد چین کا اس نوعیت کا پہلا تجربہ تھا۔ 41 ممالک نے خاص طور پر جوہری ہتھیار رکھنے والے ممالک سے آئی سی بی ایم، آبدوز سے لانچ کیے جانے والے .بیلسٹک میزائل (ایس ایل بی ایم) اور اسپیس لانچ وہیکل (ایس ایل وی) کے لانچ سے کم از کم 24 گھنٹے قبل اطلاع دینے کی اپیل کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مناسب پیشگی اطلاع کے بغیر جوہری صلاحیت رکھنے والے میزائلوں کے تجربات خطرناک ہوتے ہیں اور تجربے کے قریب موجود ممالک کے امن کو متاثر کرتے ہیں۔ ان کے مطابق پیشگی اطلاع میں میزائل یا لانچ وہیکل کی قسم، لانچ کے ممکنہ وقت کی مدت، لانچ کا علاقہ، متوقع پرواز کا راستہ، ملاحوں اور طیارہ پائلٹوں کے لیے واضح حفاظتی انتباہ وغیرہ شامل ہونا چاہیے گروپ نے کہا کہ باقاعدہ اور شفاف اطلاع کا نظام کسی ملک کی فوجی صلاحیتوں یا آپریشنل ضروریات کو محدود نہیں کرتا۔ اس کے بجائے اس سے غلط فہمی کا خطرہ کم ہوتا ہے، باہمی اعتماد میں اضافہ ہوتا ہے اور بین الاقوامی سلامتی کے حوالے سے مشترکہ عزم مضبوط ہوتا ہے۔ گروپ نے یہ بھی کہا کہ اگر کوئی ملک اپنی بین الاقوامی ذمہ داریوں کے مطابق کام نہیں کرتا تو اسے جواب دہ ٹھہرایا جانا چاہیے۔

اس بیان پر دستخط کرنے والے ممالک میں امریکہ، البانیہ، آسٹریلیا، آسٹریا، بلجیم، بلغاریہ، کینیڈا، کروشیا، چیکیا، ڈنمارک، ایسٹونیا، فن لینڈ، فرانس، جرمنی، یونان، ہنگری، آئس لینڈ، اٹلی، جاپان، لٹویا، لتھوانیا، لکسمبرگ، مارشل آئی لینڈز، مونٹی نیگرو، نیدرلینڈز، نیوزی لینڈ، شمالی مقدونیہ، ناروے، پلاؤ، فلپائن، پولینڈ، پرتگال، جنوبی کوریا، رومانیہ، سلوواکیہ، سلووینیا، اسپین، سویڈن، ترکی، یوکرین اور برطانیہ شامل تھے۔ دوسری جانب تخفیف اسلحہ کے امور کے لیے چین کے سفیر لی چھی چیانگ نے اس بیان کو مسترد کرتے ہوئے زور دیا کہ چین کی جائز اور مناسب دفاعی جدید کاری پر سوال نہیں اٹھایا جانا چاہیے اور میزائل لانچ سے متعلق پیشگی اطلاع دینے میں بیجنگ کی نیک نیتی کا جغرافیائی سیاسی مفادات کے لیے غلط استعمال نہیں کیا جانا چاہیے۔

سہ فریقی دفاعی معاہدہ: پاک۔ خلیجی ممالک سفارتی رابطوں میں تیزی

اسلام آباد: (ایجنسیاں)

پاکستان کی وزیر خارجہ نے سعودی عرب اور ترکیہ کے ساتھ حالیہ تاریخی دفاعی معاہدے کے بعد خلیجی ممالک کے ساتھ بھی اپنے سفارتی رابطوں کو مزید آگے بڑھانے کیلئے اقدامات میں تیزی پیدا کی ہے۔ پاکستان، سعودی عرب اور ترکیہ کے درمیان دفاعی معاہدے پر دستخط 7 اگست بروز جمعہ ہوئے تھے۔ اسے معاہدہ مکہ کا نام دیا گیا ہے۔ معاہدے کے بعد پاکستان کے وزیر خارجہ اسحاق ڈار اور بحرین کے وزیر خارجہ کا باہم رابطہ ہوا ہے۔ یاد رہے سہ فریقی دفاعی معاہدے کے سلسلے میں وزیر اعظم شہباز شریف اور فیلڈ مارشل عاصم منیر کے ساتھ وزیر خارجہ اسحاق ڈار بھی گئے تھے۔ جبکہ امریکہ ایران مذاکرات کیلئے کوئی پیش رفت ممکن بنانے کیلئے پاکستان کے وزیر داخلہ محسن نقوی کو ایک بار پھر ایران بھیجا گیا ہے۔ وہ اس سے قبل بھی کئی بار ایران جا کر ایرانی قیادت سے مذاکرات کیلئے بات چیت کر چکے ہیں۔ امریکہ اور اسرائیل نے 28 فروری کو ایران پر مل کر حملہ کیا تھا۔ اس جنگ میں اگرچہ ایک مفاہمتی یادداشت پر 18 جون کو دستخط ہو گئے تھے، لیکن اس کے باوجود امریکہ ایران جنگ کے اب تک کئی اتار چڑھاؤ سامنے آتے رہے ہیں۔ اس وجہ سے خلیجی ممالک بطور خاص جنگ سے متاثر ہوئے ہیں۔ بحرین کے وزیر خارجہ عبداللطیف بن راشد الزیانی نے پاکستان کے نائب وزیر اعظم اور وزیر خارجہ اسحاق ڈار کو پیر کو رات گئے فون کال کی اور دوطرفہ دلچسپی کے موضوعات پر تبادلہ خیال کیا۔ اس تبادلہ خیال میں پاکستان، سعودی عرب اور ترکیہ کے درمیان ہونے والے معاہدے پر بھی بات چیت کی گئی۔ بحرینی وزیر خارجہ نے تاریخی مکہ معاہدے پر دستخط ہونے پر وزیر خارجہ پاکستان اسحاق ڈار کو مبارکباد دی ہے۔ انہوں نے جلد پاکستان کا دورہ کرنے کے اپنے ارادے کا بھی ذکر کیا۔ اسحاق ڈار نے اپنے بحرینی ہم منصب کے ممکنہ دورہ پاکستان کیلئے خیر مقدم کیا اور ان کی طرف سے پاکستان کیلئے ظاہر کیے گئے جذبات پر ان کا شکریہ ادا کیا۔ وزیر خارجہ پاکستان نے اس موقع پر خطے میں امن کیلئے اپنی کوششوں کو جاری رکھنے کے عزم کا اعادہ کیا۔ علاوہ ازیں اسحاق ڈار نے سعودی وزیر خارجہ شہزادہ فیصل بن فرحان کے ساتھ بھی بات چیت کیہے۔

دونوں وزرائے خارجہ کے درمیان خطے کی تازہ ترین صورت حال پر غور کیا گیا اور باہمی رابطوں کو جاری رکھنے اور مشاورت کے تسلسل پر زور دیا۔ وزیر خارجہ پاکستان اسحاق ڈار نے ایرانی وزیر خارجہ عباس عراقچی سے بھی بات چیت کی ہے۔ اس گفتگو کا محور بھی سہ فریقی دفاعی معاہدہ ہی رہا۔ جس پر ولی عہد شہزادہ محمد بن سلمان، صدر طیب ایردوآن اور وزیر اعظم شہباز شریف نے جمعہ کے روز مکہ میں دستخط کیے ہیں۔ سہ فریقی معاہدے کی روح یہ ہے کہ ایک ملک پر حملہ تینوں ملکوں پر حملہ تصور کیا جائے گا۔ تاہم یہ معاہدہ کسی کے خلاف جارحانہ عزائم کیلئے نہیں ہیں۔ یاد رہے اس سے قبل پاکستان اور سعودی عرب ستمبر 2025 میں ایک دوطرفہ دفاعی معاہدہ کر چکے ہیں۔ پاکستان سعودی دفاعی معاہدے کا لب لباب بھی یہی ہے کہ ایک ملک پر حملہ دوسرے پر بھی حملہ سمجھا جائے گا۔ ان معاہدوں کو خطے علاوہ دنیا بھر میں کافی دلچسپی سے دیکھا جارہا ہے

تجربہ کار آئی آر جی سی کمانڈر محسن رضائی ایران کے قومی سلامتی کے سربراہ مقرر

تہران (ایجنسی) ایران کے سپریم لیڈر آیت اللہ سید علی خامنہ ای نے تجربہ کار آئی آر جی سی کمانڈر محسن رضائی کو ملک کے سپریم نیشنل سیکیورٹی کونسل کا سیکریٹری مقرر کر دیا ہے۔ ایرانی سرکاری خبر رساں ایجنسی کے مطابق آیت اللہ خامنہ ای نے ایک فرمان میں محسن رضائی کو بطور سیکریٹری سپریم نیشنل سیکیورٹی کونسل کی ذمہ داری سونپی ہے۔

آیت اللہ خامنہ ای نے اپنے فرمان میں کہا کہ محسن رضائی کی وسیع تجربہ، علمی صلاحیتوں اور میدانِ کار میں نمایاں خدمات کو مد نظر رکھتے ہوئے انہیں یہ اہم ذمہ داری سونپی جارہی ہے۔

سپریم نیشنل سیکیورٹی کونسل ایران کے سب سے اہم حکومتی اداروں میں سے ایک ہے، جو ملک کی داخلی اور خارجی سلامتی سے متعلق پالیسی سازی، ہم آہنگی اور نگرانی کا ذمہ دار ہے۔ اس کونسل کی سربراہی براہ راست سپریم لیڈر کرتے ہیں۔

محسن رضائی ایک تجربہ کار سیاستدان اور اعلیٰ سطح کے کمانڈر ہیں۔ ان کی تقرری ایران کے موجودہ حالات میں خاص اہمیت رکھتی ہے، کیونکہ ملک کو داخلی اور خارجی چیلنجز کا سامنا ہے۔

محسن رضائی 16 ستمبر 1954 کو تہران میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے 1979 کے اسلامی انقلاب کے بعد جمہوریہ ایران کے قیام میں فعال کردار ادا کیا۔ وہ ابتدائی طور پر پاسداران انقلاب اسلامی (آئی آر جی سی) میں شامل ہوئے اور جلد ہی اپنی قائدانہ صلاحیتوں کی بدولت اعلیٰ عہدوں تک پہنچے۔

1980 سے 1988 تک ایران نے عراق کے خلاف جنگ میں اہم کردار ادا کیا اور محسن رضائی نے آئی آر جی سی کے کمانڈر کی حیثیت سے ایرانی فوج کی اہم عسکری کارروائیوں کی قیادت کی۔

1997 سے 2005 تک انہوں نے مختلف سیاسی اور حکومتی عہدوں پر بھی خدمات انجام دیں۔ وہ سپریم نیشنل سیکیورٹی کونسل کے سیکریٹری کے عہدے پر بھی فائز رہے اور بعد ازاں ایران میں صدر کے نائب کے طور پر بھی کام کیا۔ تجربہ کار کمانڈر کی حیثیت سے محسن رضائی کو ایران کی عسکری اور سیاسی قیادت میں اعتماد کا حامل سمجھا جاتا ہے۔ ان کی نئی ذمہ داری موجودہ علاقائی اور بین الاقوامی صورتحال کے تناظر میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔ نمائندہ نیپال اردو ٹائمز سید ظہیر احمد فنا، شیموگہ، کرناٹک، انڈیا

بشار الاسد کو سزائے موت!

دمشق: (ایجنسیاں) شام میں سابق صدر بشار الاسد اور اُن کے بھائی کو انسانیت کیخلاف جرائم پر سزائے موت سنادی گئی ہے۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق شام کی ایک عدالت نے معزول شامی صدر بشار الاسد اور ان کے چھوٹے بھائی کو شام کے 14 سالہ تنازعہ کے دوران انسانیت کیخلاف اور جنگی جرائم کے الزام میں سابق صدر کی غیر حاضری میں موت کی سزا سنائی۔ دمشق کی فوجداری عدالت میں اسد خاندان کے پانچ عشروں پر مشتمل اقتدار کے ختم ہونے کے 20 ماہ بعد خاندان کیخلاف یہ پہلی سزائیں ہیں۔ جج فخر الدین العریان نے کہا کہ بشار الاسد نے ریاستی ایجنسیوں کو جنگی جرائم اور انسانیت کیخلاف استعمال کیا۔ واضح رہے کہ اسی مقدمے میں بشار الاسد کے ماموں عاطف نجیب کو بھی سزائے موت سنائی گئی تھی جسے جنوبی صوبے درعا میں کریک ڈاؤن کی نگرانی کرنے کا مجرم قرار دیا گیا تھا جو بغاوت اور بعد میں خانہ جنگی کا باعث بنا

مغربی ممالک نے روسی تجارتی جہاز ضبط کرنے کی کوشش کی تو جواب دے گا روس: پوتن

ماسکو: (ایجنسیاں) روسی صدر ولادیمیر پوتن نے بدھ کو خبردار کیا کہ اگر مغربی ممالک نے روسی تجارتی جہازوں کو ضبط کرنے کی کوشش کی تو روس کو جوابی کارروائی کرنے کا حق ہے اور یہ کارروائی ان آبی علاقوں تک محدود نہیں ہوگی جہاں روسی جہازوں کو روکا گیا

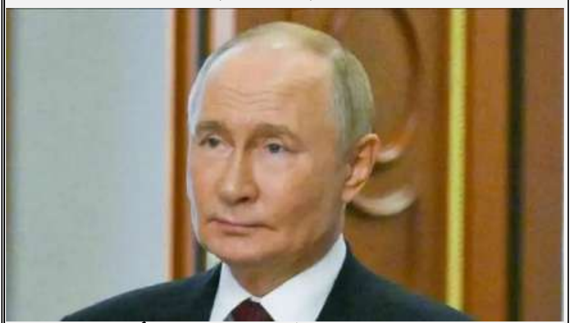

ہے۔ ولادیمیر پوتن نے کہا کہ "اگر ان منصوبوں کو عمل میں لایا جاتا ہے تو ہمیں اسی طرح جواب دینا ہوگا۔" انہوں نے کہا کہ روس کا رد عمل ضروری نہیں کہ ان علاقوں تک محدود ہو جہاں روسی جہازوں کو ضبط کیا گیا ہے، بلکہ یہ "جہاں بھی ہمیں ضروری اور مناسب لگے وہاں کیا جا سکتا ہے۔" اس میں روس کے بحر الکاہل کے بیڑے کی ذمہ داری والے علاقے بھی شامل ہو سکتے ہیں۔ ولادیمیر پوتن نے یہ بھی کہا کہ روس اپنے پڑوسی اور دوست ممالک کے ساتھ باہمی مفادات کے احترام کی بنیاد پر باہمی طور پر قابل قبول معاہدے کی تلاش جاری رکھنے کے لیے پر عزم ہے۔ روسی نیوز ایجنسی تاس کے مطابق، روسی ملاحوں سے بات چیت کے دوران ولادیمیر پوتن نے کہا کہ انہوں نے وزارت دفاع کو اس معاملے پر کام کرنے کی ہدایت پہلے ہی دے دی ہے اور بحر الکاہل کے بیڑے کی کمانڈ کو بھی اس کی اطلاع دے دی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ انہیں روس کے ممکنہ رد عمل کے تعلق سے تجویز کی امید ہے۔ پوتن نے کچھ مغربی ممالک پر بین الاقوامی سمندری قانون کی خلاف ورزی کرنے کا الزام لگایا۔ انہوں نے کہا کہ روسی اقتصادی مفادات سے جڑے شہری جہازوں کی نقل و حرکت پر پابندی لگائی جا رہی ہے اور روسی جہازوں کو ضبط کر کے انہیں فروخت کرنے کے منصوبوں پر غور کیا جارہا ہے۔ انہوں نے ایسی کارروائیوں کو "سمندری ڈکیتی اور لوٹ مار" کے مترادف بتایا۔

لبنانی فوج کی شہریوں کو قصبے 'زوطر الغربیۃ' جانے سے گریز کی ہدایت

نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
سید ظہیر احمد فنا

جنوبی لبنان کے تین قصبوں فرون، صریفا اور زوطر الغربیۃ میں سیکیورٹی انتظامات پر عمل درآمد شروع: امریکی عہدیدار

اہم نکات:

لبنانی فوج کا پیغام: لبنانی فوج کی قیادت نے شہریوں سے 'زوطر الغربیۃ' قصبے میں نہ جانے کا مطالبہ کیا ہے تاکہ وہاں فوج کی کارروائیاں بلا تعطل جاری رہ سکیں۔

تجرباتی علاقوں کا قیام: امریکی عہدیدار کے مطابق، جنوبی لبنان کے تین قصبوں (فرون، صریفا، اور زوطر الغربیۃ) میں ایک سہ فریقی معاہدے کے تحت سیکیورٹی انتظامات اور تجرباتی علاقے قائم کیے گئے ہیں، جس میں امریکہ ضامن کے طور پر شامل ہے۔

لبنانی فوج کا کنٹرول: اس انتظامی منصوبے کے تحت لبنانی مسلح افواج ان علاقوں کا کنٹرول سنبھالیں گی اور حزب اللہ کو غیر مسلح کرنے کے لیے کام کریں گی۔

امریکی موقف: امریکی عہدیدار نے زور دیا کہ یہ اقدام لبنانی ریاست کے لیے ان علاقوں پر اپنا اصل کنٹرول دوبارہ حاصل کرنے کا ایک بڑا موقع ہے۔ حزب اللہ کی جانب سے اس عمل میں کسی بھی قسم کی مداخلت یا دوبارہ ہتھیار جمع کرنے کی کوشش امن و بازآبادکاری کو نقصان پہنچائے گی۔

اسرائیلی افواج کا انخلا: اس منصوبے کا مقصد جنوبی لبنان سے اسرائیلی افواج کا مرحلہ وار انخلا یقینی بنانا ہے

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +9779701714929, +977 9817619786, +9779821442810

حکومت کا سنسری اور سرہا احتجاج کے چار جاں بحق افراد کو شہید قرار دینے کا اعلان

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

حکومت کی وفاقی کابینہ نے منگل کو ہونے والے اجلاس میں سنسیری، اور سرہا، میں احتجاجی مظاہروں کے دوران جاں بحق ہونے والے ٤ افراد کو باضابطہ طور پر "شہید" قرار دینے کی منظوری دے دی۔ اس فیصلے کے ساتھ ہی حکومت نے شہداء کے اہل خانہ کے لیے "معاوضے، مفت تعلیم، علاج اور روزگار" سمیت کئی سہولیات کا بھی اعلان کیا ہے۔ وزیر اعظم کی زیر صدارت منگل کو سنگھا دربار میں ہونے والے وفاقی کابینہ کے اجلاس میں وزارت داخلہ کی جانب سے پیش کی گئی رپورٹ پر غور کیا گیا۔ رپورٹ میں سنسری اور سرہا میں ہوئے احتجاج اور جھڑپوں کا ذکر تھا۔ کابینہ نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ احتجاج کے دوران جان گنوانے والے افراد کو قومی شہید کا درجہ دیا جائے۔

شہداء کی تفصیل: اوم پرکاش مہتا۔ عمر 32 سال، سنسری، دیوان گنج گاؤں پا لیکا۔ ٢: جے پرکاش مہتا۔ عمر 28 سال، سنسری، دیوان گنج گاؤں

مہتا۔ عمر 35 سال، سنسری، دیوان گنج گاؤں پا لیکا۔ ٤: گنیش یادو۔ عمر 30 سال، سرہا، گول بازار۔ حکومت کے پہلے اعلان کردہ معاوضے کی رقم ١٥ دن کے اندر متاثرہ خاندانوں کے بینک اکاؤنٹ میں منتقل کی جائے گی۔

حکومت کے ترجمان نے کہا کہ یہ ایک افسوسناک واقعہ تھا۔ حکومت شہداء کی قربانی کو ضائع نہیں جانے دے گی۔ ہم نے جو وعدے کیے ہیں انہیں حرف بہ حرف پورا کریں گے۔ وزیر داخلہ سودن گرونگ نی کہا کہ امن و امان قائم رکھنا ہماری ذمہ داری ہے۔ لیکن جن لوگوں نے جان دی ان کے خاندانوں کا خیال رکھنا بھی ریاست کا فرض ہے۔ پس منظر: گزشتہ ماہ سنسری اور سرہا میں مقامی مطالبات کو لے کر بڑے پیمانے پر احتجاج ہوئے تھے۔ مظاہرین اور سیکیورٹی فورسز کے درمیان جھڑپوں میں فائرنگ سے یہ ٤ افراد جاں بحق ہوئے تھے۔ کابینہ نے وزارت داخلہ اور خزانہ کو ہدایت دی ہے کہ وہ ایک ہفتے کے اندر معاوضے کی ادائیگی کا طریقہ کار مکمل کریں۔ ساتھ ہی ان اضلاع میں امن کمیٹیاں بنانے اور متاثرہ املاک کا سروے کر کے معاوضہ دینے کا بھی فیصلہ کیا گیا ہے

حکومت پر لگام لگانے کا حتمی حق صرف پارلیمنٹ کو ہے: وزیر قانون

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

وزیر قانون، انصاف اور پارلیمانی امور سوبھیتا گوتم نے واضح کیا ہے کہ حکومتی اقدامات پر لگام لگانے اور انہیں قابو میں رکھنے کا حتمی حق صرف پارلیمنٹ کو حاصل ہے۔ انہوں نے کہا کہ آئین کے تحت ایگزیکٹو پارلیمنٹ کو جواب دہ ہے۔ پارلیمنٹ میں قانون سازی سے متعلق بحث کے دوران سوبھیتا گوتم نے کہا: جمہوریت میں حکومت عوام کی نمائندہ ہے، لیکن اس پر نظر رکھنے کا اختیار عوام کے منتخب ایوان یعنی پارلیمنٹ کے پاس ہے۔ کوئی بھی سرکاری فیصلہ پارلیمانی جانچ سے بالاتر نہیں ہو سکتا۔ وزیر اعظم سے لے کر ایک معمولی سیکرٹری تک، سب پارلیمنٹ کو جواب دہ ہیں۔ سوال، تحاریک التوا اور کمیٹیوں کے ذریعے حکومت کا احتساب ہوگا۔ حکومت آئین اور قانون کے دائرے میں رہ کر کام کرے گی۔ اگر کوئی قدم آئین سے متصادم ہوا تو پارلیمنٹ اسے روکے گی۔ کوئی بھی شخص، چاہے وہ کتنا ہی بڑا عہدیدار کیوں نہ ہو، قانون سے اوپر نہیں ہے۔ قانون سب کے لیے برابر ہے۔ "پس منظر" وزیر قانون کا یہ بیان ایسے وقت آیا ہے جب اپوزیشن نے حکومت پر اختیارات کے غلط استعمال اور پارلیمنٹ کو نظرانداز کرنے کا الزام لگایا تھا۔ اپوزیشن نے مطالبہ کیا تھا کہ کئی اہم فیصلے پارلیمنٹ میں بحث کے بغیر کیے گئے۔

اپوزیشن لیڈر نے وزیر قانون کے بیان کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا: اگر حکومت واقعی پارلیمنٹ کی بالادستی مانتی ہے تو پھر متنازعہ فیصلوں کو واپس لے کر پارلیمنٹ میں لائے۔ حکمران جماعت کے ارکان نے کہا کہ حکومت شفافیت پر یقین رکھتی ہے اور تمام بڑے فیصلے پارلیمنٹ میں پیش کیے جائیں گے۔ آئینی ماہرین کا کہنا ہے کہ وزیر قانون کا بیان آئینی اصولوں کی یاد دہانی ہے۔ پارلیمانی نظام میں ایگزیکٹو کا اختیار محدود ہے اور قانون سازی و نگرانی پارلیمنٹ کا کام ہے۔ وزیر قانون نے کہا کہ حکومت چلانے کا اختیار عوام نے دیا ہے، لیکن اس پر لگام لگانے کا اختیار بھی عوام نے پارلیمنٹ کو دیا ہے۔

ملک میں سیاسی تبدیلیاں پرانی جماعتوں کی جدوجہد کا نتیجہ ہیں: رضوان انصاری

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
مدھیش پردیش

نیپال سنگھیہ سماج وادی پارٹی کے چیئرمین رضوان انصاری نے کہا ہے کہ ملک میں جو بھی سیاسی تبدیلیاں آئی ہیں وہ پرانی سیاسی جماعتوں کی طویل جدوجہد تحریکوں اور قربانیوں کی وجہ سے

ممکن ہوئیں۔ انہوں نے نئی نسل سے کہا کہ وہ تاریخ کو فراموش نہ کرے۔ کاٹھمانڈو میں جمہوری تحریک کی یاد کے عنوان سے سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے رضوان انصاری نے کہا: آج جو لوگ پارلیمنٹ میں بیٹھ کر تقریریں کر رہے ہیں، جو آزادی سے بول رہے ہیں، یہ سب ١٩٩٠ کی تحریک ٢٠٠٦ کی عوامی تحریک اور ان ہزاروں کارکنوں کی قربانی کا نتیجہ ہے جنہوں نے جیلیں کاٹیں اور جانیں دیں۔ سیاسی تبدیلی راتوں رات نہیں آتی۔ اس کے پیچھے دہائیوں کی جدوجہد ہوتی ہے۔ نئی جماعتوں کو پرانی جماعتوں کی تاریخ کا احترام کرنا چاہیے۔ جمہوریت، وفاقیت اور سیکولرازم کے لیے جو تحریکیں چلیں، ان میں سماج وادی کانگریس اور کمیونسٹ سب نے کردار ادا کیا۔ آج کا آئین انہی تحریکوں کا ثمر ہے۔ انہوں نے کہا کہ سوشل میڈیا پر تنقید کرنا آسان ہے، لیکن سڑکوں پر نکل کر لاٹھیاں کھانا آسان نہیں تھا۔ نوجوانوں کو اپنے بزرگ رہنماؤں سے سیکھنا چاہیے۔ رضوان انصاری نے کہا کہ آج کل کچھ لوگ پرانی جماعتوں کو ناکام قرار دے کر خود کو متبادل پیش کر رہے ہیں۔ تنقید کریں، لیکن تاریخ مٹا کر نہیں۔ جس درخت کا پھل کھا رہے ہو اس کی جڑوں کو مت کاٹو۔ رضوان انصاری نے کہا کہ آج کی آزادی کل کی جیلوں کی مرہون منت ہے۔ سیاسی تبدیلی کا کریڈٹ صرف ایک جماعت کو نہیں سب کی مشترکہ جدوجہد کو جاتا ہے۔

حکومت لیپولیکھ میں بھارت چین تجارت پر خاموشی توڑے: چیئرمین ہرکراج رائے

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو لیبر کلچر پارٹی کے چیئرمین ہرکراج رائے (ہرکا سامپانگ) نے نیپال کی حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ لیپولیکھ درے کے ذریعے ہندوستان اور چین کے درمیان شروع ہونے والی دوطرفہ تجارت پر اپنی پوزیشن واضح کرے اور اس معاملے پر باضابطہ بات کرے۔ ہرکراج رائے نے کاٹھمانڈو میں پریس

کانفرنس کرتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ لیپولیکھ درے کے ذریعے بھارت اور چین کے درمیان شروع ہونے والی دوطرفہ تجارت پر اپنا سرکاری موقف فوراً واضح کرے۔ انہوں نے کہا: لیپولیکھ، کالاپانی اور لیمپیادھورا نیپال کے آئینی نقشے کا حصہ ہیں۔ اگر ہماری زمین سے ہو کر تجارت ہو رہی ہے اور ہمیں اعتماد میں نہیں لیا گیا تو یہ قومی خود مختاری پر حملہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ کیا بھارت-چین تجارت کے معاہدے میں نیپال کی رضامندی شامل تھی؟ اگر ہاں تو معاہدے کی کاپی پارلیمنٹ میں پیش کی جائے۔ وزارت خارجہ فوری طور پر نئی دہلی اور بیجنگ سے بات کرے اور واضح کرے کہ لیپولیکھ متنازعہ علاقہ ہے۔ نیپال کو اس تجارت میں فریق بنایا جائے۔ وزیر اعظم خود آکر پارلیمنٹ کو بریف کریں۔ یہ صرف سرحد کا مسئلہ نہیں، یہ ٢٠ کروڑ نیپالیوں کے وقار کا سوال ہے۔ چیئرمین رائے کا کہنا ہے کہ حکومت کو پارلیمنٹ میں اٹھائے گئے امور کو سنجیدگی سے لینا چاہیئے۔ حکومت کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ اپوزیشن اور عوامی نمائندوں کی آواز سنتی ہے یا نہیں۔ "پس منظر" گزشتہ ہفتے بھارت اور چین نے سرحدی تجارت کو آسان بنانے کے لیے لیپولیکھ درے کو دوبارہ کھولنے پر اتفاق کیا۔ نیپال نے ٢٠٢٠ میں اس علاقے کو اپنے نقشے میں شامل کیا تھا اور اسے اپنا حصہ قرار دیا تھا۔ لیکن تازہ معاہدے میں نیپال کا ذکر تک نہیں ہے۔

آسٹریلوی سفیر سائمن ارنسٹ کی اسپیکر ڈول پرساد آریال سے ملاقات

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

اسپیکر ڈول پرساد آریال اور نیپال میں متعین آسٹریلیا کے سفیر سائمن ارنسٹ کے درمیان سنگھ دربار میں واقع اسپیکر کے دفتر میں ایک اہم بشکریہ ملاقات ہوئی ہے۔ اس ملاقات کے دوران دونوں رہنماؤں نے نیپال اور آسٹریلیا کے درمیان تعلقات، پارلیمانی تعاون اور عوامی روابط کو مزید مضبوط بنانے پر تبادلہ خیال کیا۔ اسپیکر آریال نے بتایا کہ وفاقی پارلیمنٹ نے 'نیپال-آسٹریلیا پارلیمانی فرینڈشپ گروپ' تشکیل دیا ہے۔ تبادلے کی ضرورت: انہوں نے دونوں ممالک کے اراکینِ پارلیمنٹ کے باقاعدہ تبادلوں اور ادارہ جاتی روابط کو بڑھانے پر زور دیا۔ تعلقات کی مضبوطی: آسٹریلوی سفیر نے بھی اس بات کی تائید کی کہ پارلیمانی اور عوامی سطح کے روابط باہمی تعلقات کو بڑھانے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ آسٹریلوی تعاون کا شکریہ: اسپیکر نے نیپال کی سماجی و اقتصادی ترقی میں آسٹریلیا کے طویل مدتی تعاون کو سراہا۔ تعلیمی وظائف: انہوں نے 'آسٹریلیا ایوارڈز اسکالرشپ' کے ذریعے نیپالی افرادی قوت کی صلاحیتوں کو نکھارنے پر آسٹریلوی حکومت کا شکریہ ادا کیا۔ اعلیٰ تعلیم کا مرکز: انہوں نے اس بات پر بھی روشنی ڈالی کہ آسٹریلیا نیپالی طلبہ کے لیے اعلیٰ تعلیم کی ایک اہم ترین منزل بن چکا ہے۔ آسٹریلوی سفیر سائمن ارنسٹ نے یقین دلایا کہ ان کا ملک مستقبل میں بھی تعلیم، افرادی قوت کی ترقی اور پارلیمانی تعاون سمیت مختلف شعبوں میں نیپال کے ساتھ تعاون جاری رکھے گا۔

سنسری تشدد میں ١١٢ مکانات نذر آتش کئے گئے، ٦١ گاڑیوں کو نقصان پہنچا

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
مدھیش پردیش نیپال کے سنسری ضلع کے دیوان گنج میں فرقہ وارانہ تشدد کے دوران بڑے پیمانے پر نقصان پہنچا ہے۔ ضلع پولیس آفس، سنسری کی طرف سے جاری کی گئی ابتدائی معلومات کے مطابق، تشدد میں ١١٢ مکانات اور ٦١ گاڑیوں کو نقصان پہنچا۔ پولیس کے مطابق تنازعہ اس وقت شروع ہوا جب ہندو کانوڑیوں اور ایک مسلم خاندان کے درمیان ٢٥ جولائی کی شام ایک بحث جھگڑے میں بدل گئی۔ اس کے بعد کپتان گنج سمیت سنسری ضلع کے مختلف علاقوں میں توڑ پھوڑ، آتش زنی اور پر تشدد مظاہرے ہوئے۔ پولیس کے مطابق توڑ پھوڑ اور آتش زنی سے متاثر ہونے والے ١١٢ مکانات میں سے ٢٣ پکے مکانات مکمل طور پر تباہ ہو چکے ہیں۔ اسی دوران ٣٤ میں سے ٢٥ کچے مکانات آگ میں مکمل طور پر تباہ ہو گئے۔ اس کے علاوہ ٥٠ مکانات، دو مندر، پانچ دیگر ڈھانچے اور ایک اینٹوں کے بھٹے کو بھی توڑ پھوڑ اور آتش زنی سے نقصان پہنچا۔ تشدد کے دوران ٦١ گاڑیوں کو بھی نقصان پہنچا۔ ان میں سے ٤٤ دو پہیہ اور پانچ چار پہیہ گاڑیاں مکمل طور پر تباہ ہو چکی ہیں۔

نیپال میں انتظامی انتشار اور حکمرانی کی تباہی ہے: گگن تھاپا

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

نیپالی کانگریس کے صدر گاگن کمار تھاپا نے موجودہ حکومت پر ملک میں "انتظامی انتشار اور حکمرانی کی تباہی" کا الزام عائد کیا ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ ملک میں جاری حالیہ سرگرمیاں آئین اور قانون کی حدود سے باہر نکل چکی ہیں۔ نیپالی کانگریس کے کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے گگن تھاپا نے موجودہ حکومت کو آڑے ہاتھوں لیا۔ انہوں نے کہا: آج ملک میں حکومت نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ ہر وزارت اپنی مرضی کر رہی ہے۔ وزیر اعظم خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ یہ کھلا انتشار ہے اور اس کی قیمت عام آدمی چکا رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اہم پالیسی فائلیں مہینوں سے سیکرٹریٹ میں دھول کھا رہی ہیں۔ کابینہ کا اجلاس وقت پر نہیں ہوتا۔ عوام بجلی، پانی اور صحت کے مسائل لے کر دربدر ہیں لیکن سننے والا کوئی نہیں۔ آٹا، چاول، تیل سب کی قیمت دوگنی ہو گئی۔ نوجوان ڈگری لے کر روزگار کے لیے خلیج اور یورپ جا رہے ہیں۔ حکومت رفتار ضرور بڑھائے لیکن اسے طے شدہ لین (قانون) سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔ تھاپا نے موجودہ حکومتی رویوں کو ملکی بقا اور انتظامی ڈھانچے کے لیے شدید خطرہ قرار دیا۔ حکومت کے پاس نوجوانوں کے لیے کوئی وژن نہیں۔ حکومت کے اندر ہی ٣ سے ٤ دھڑے بن چکے ہیں۔ ہر وزیر اپنی کرسی بچانے میں لگا ہے۔ ملک کہاں جا رہا ہے اس کی کسی کو پرواہ نہیں۔ انتظامیہ مفلوج، پولیس غیر فعال اور ترقیاتی بجٹ کا ٤٠ فیصد خرچ ہی نہیں ہوا۔ صرف میڈیا پر بیان بازی چل رہی ہے۔ انہوں نے کہا: حکومت مشکل اصلاحات کر رہی ہے۔ ٢ ماہ میں اس کے مثبت نتائج عوام کو نظر آئیں گے۔ اپوزیشن کو صرف تنقید آتی ہے، حل نہیں۔

قاضی نیپال مفتی عثمان برکاتی اور ہرکا سمپانگ کی ملاقات، مذہبی ہم آہنگی اور قومی یکجہتی پر زور

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
مدھیش پردیش

قاضیِ نیپال محمد عثمان برکاتی مصباحی اور شرم سنسکرت پارٹی کے مرکزی چیئرمین و رکن ایوانِ نمائندگان ہرکا سمپانگ کے درمیان ہونے والی یہ ملاقات ملک میں مذہبی ہم آہنگی، امن اور موجودہ قومی و سماجی حالات کے تناظر میں انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ ملاقات میں نیپال کے عصری موضوعات، قومی یکجہتی اور مختلف برادریوں کے مابین بقائے باہمی کو فروغ دینے پر تفصیلی تبادلہ خیال کیا گیا۔ نیپال کی ابھرتی ہوئی سیاسی طاقت شرم سنسکرتی پارٹی کے مرکزی دفتر میں ملاقات منعقد ہوئی۔ ملاقات میں ملک کی موجودہ سیاسی، سماجی اور معاشی صورتحال کا جائزہ لیا گیا۔ دونوں رہنماؤں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ نیپال کی ترقی اور خودمختاری کے لیے تمام مذہبی اور نسلی برادریوں کا متحد ہونا لازمی ہے۔ انہوں نے کہا کہ بیرونی طاقتیں ہمیشہ ملک میں تقسیم پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہیں، اس لیے ہمیں متحد رہنا ہوگا۔ قاضیِ نیپال محمد عثمان برکاتی نے واضح کیا کہ "مسلم کمیونٹی ملک میں امن، رواداری اور انسانیت کی خدمت کے مشن پر کاربند ہے"۔ انہوں نے کہا کہ اسلام امن کا مذہب ہے اور نیپالی مسلمان ہمیشہ ملک کی ترقی اور امن کے لیے اپنا کردار ادا کرتے رہیں گے۔ دونوں رہنماؤں نے زور دیا کہ ہندو، مسلم، بدھ، کرسچن اور دیگر تمام برادریوں کو ایک دوسرے کا احترام کرنا چاہیے۔ نفرت انگیز تقریروں اور سماجی تشدد کی ہر سطح پر مذمت کی گئی۔ چیئرمین نے کہا کہ حکومت کو چاہیے کہ وہ کمزور طبقوں، محنت کشوں اور اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کرے۔ قاضی صاحب نے مطالبہ کیا کہ متاثرہ خاندانوں کو فوری ریلیف دیا جائے۔ ہرکا سمپانگ نے کہا کہ یہ ملاقات نیپال کی تاریخ میں ایک نیا باب کھولے گی۔ قاضی صاحب کی دانشمندی اور امن کا پیغام ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ شرم سنسکرت پارٹی کا مشن ہی یہ ہے کہ ملک کے ہر شہری کو عزت، انصاف اور روزگار ملے۔ ہم مذہب کے نام پر تقسیم کے خلاف ہیں۔ ملاقات کے آخر میں قاضیِ نیپال نے کہا کہ نیپال ہم سب کا سانجھا وطن ہے۔ یہاں کی مٹی نے ہمیں محبت اور بھائی چارہ سکھایا ہے۔ مسلم کمیونٹی ہمیشہ ملک کے امن اور ترقی کے لیے قربانی دینے کو تیار ہے۔ سیاسی قیادت سے ہماری اپیل ہے کہ وہ عوام کے مسائل کو ترجیح دے۔ اس اہم ملاقات میں قاضیِ نیپال کے ہمراہ مسلم کمیٹی کے اعلیٰ سطحی وفد نے شرکت کی، جس میں درج ذیل شخصیات نمایاں تھیں: علماء فاؤنڈیشن نیپال کے خصوصی نمائندے، ضلع دھنوشا کے عمائدین: علاقے کے علمائے کرام اور سماجی رہنما شامل تھے۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

نیپال کا امن، ہماری مشترکہ ذمہ داری: نفرت کے مقابلے میں اتحاد کی آواز

محمد علی شیر قادری نظامی

سکونت: روضہ شریف، مہوتری نیپال

نیپال ایک ایسا ملک ہے جہاں مختلف مذاہب، زبانوں اور قومیتوں سے تعلق رکھنے والے لوگ برسوں سے ایک دوسرے کے ساتھ امن، محبت اور بھائی چارے کے ساتھ زندگی گزارتے آئے ہیں۔ یہی باہمی احترام اور رواداری اس ملک کی اصل طاقت اور خوبصورتی ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ حالیہ دنوں میں بعض واقعات نے اس پرامن فضا کو متاثر کیا ہے اور ملک کے باشعور شہریوں میں تشویش پیدا کر دی ہے۔ ضلع سنسری کے دیوان گنج میں پیش آنے والے واقعے کے بعد پیدا ہونے والی کشیدگی نے دھنوشا، سرہا اور دیگر علاقوں تک اپنے اثرات چھوڑے۔ ان واقعات میں مذہبی مقامات، مدارس، گھروں اور دکانوں کو نقصان پہنچنے کی اطلاعات سامنے آئیں، جس سے بہت سے خاندان خوف، بے چینی اور عدم تحفظ کا شکار ہوئے۔ ایسے واقعات کسی ایک طبقے کا نہیں بلکہ پورے ملک کے امن اور استحکام کا مسئلہ ہیں۔ جب نفرت کی آگ بھڑکتی ہے تو اس کی تپش صرف ایک برادری تک محدود نہیں رہتی بلکہ پورا معاشرہ اس کی زد میں آجاتا ہے۔

اس سے بھی زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ کچھ عرصے سے بعض شدت پسند عناصر مذہبی جذبات کو بھڑکانے، اشتعال انگیز نعرے لگانے اور مختلف برادریوں کے درمیان نفرت پیدا کرنے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔ اگر کوئی فرد، تنظیم یا گروہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لیتا ہے، دوسروں کے مذہبی جذبات مجروح کرتا ہے، عبادت گاہوں یا املاک پر حملہ کرتا ہے یا شہریوں کو ان کے مذہب کی بنیاد پر خوفزدہ کرتا ہے تو اس کے خلاف سخت اور بلاامتیاز قانونی کارروائی ہونی چاہیے۔ ایک جمہوری اور آئینی ریاست میں کسی کو بھی قانون سے بالاتر ہونے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ حکومتِ نیپال کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ ملک میں امن و امان کو ہر قیمت پر برقرار رکھے۔ حالیہ واقعات کی شفاف، غیر جانبدارانہ اور فوری تحقیقات کرائی جائیں، قصورواروں کو گرفتار کیا جائے اور عدالتوں کے ذریعے قانون کے مطابق سخت سزا دی جائے۔

انصاف صرف ہونا ہی کافی نہیں بلکہ عوام کو ہوتا ہوا نظر بھی آنا چاہیے، کیونکہ یہی اعتماد پیدا کرتا ہے اور مستقبل میں ایسے واقعات کی روک تھام کا ذریعہ بنتا ہے۔ اسی کے ساتھ تمام سیاسی جماعتوں، سماجی تنظیموں، مذہبی رہنماؤں اور دانشوروں پر بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ نفرت کے بجائے اتحاد، برداشت اور بھائی چارے کا پیغام عام کریں۔ اختلافِ رائے ہر معاشرے میں ہوتا ہے، لیکن اختلاف کو تشدد، نفرت اور فساد میں تبدیل ہونے دینا کسی بھی صورت قابلِ قبول نہیں۔ مسلمانانِ نیپال کے لیے بھی یہ وقت صبر، اتحاد اور حکمت سے کام لینے کا ہے۔ جذبات میں آکر ایسا کوئی قدم نہ اٹھایا جائے جس سے حالات مزید خراب ہوں یا شرپسند عناصر کو اپنے مقاصد حاصل کرنے کا موقع ملے۔ افواہوں سے بچیں، قانون پر اعتماد رکھیں اور ہر معاملے میں ذمہ داری، بردباری اور حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کریں۔ اس موقع پر ہمیں اپنے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ مکہ مکرمہ میں مسلمان اقلیت میں تھے اور سخت آزمائشوں سے گزر رہے تھے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر، حکمت، حسنِ اخلاق، اتحاد اور امن کا راستہ اختیار فرمایا۔ یہی طرزِ عمل ہر اس معاشرے میں مسلمانوں کے لیے بہترین نمونہ ہے جہاں وہ اقلیت کی حیثیت سے زندگی گزار رہے ہوں۔ ہم حکومتِ نیپال سے پُرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ مذہب، ذات، زبان یا سیاسی وابستگی سے بالاتر ہو کر ہر ایسے شخص کے خلاف سخت کارروائی کرے جو ملک کے امن کو خراب کرنے، نفرت پھیلانے یا کسی بھی برادری کو خوفزدہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ عبادت گاہوں، مدارس، تعلیمی اداروں اور شہریوں کی جان و مال کا تحفظ حکومت کی آئینی ذمہ داری ہے، اور اس ذمہ داری کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی ملک کے مستقبل کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ نیپال کے تمام شہری ایک دوسرے کے مذہبی جذبات، عقائد اور بنیادی حقوق کا احترام کریں۔ نفرت کا جواب نفرت سے نہیں بلکہ انصاف، قانون، صبر اور حسنِ اخلاق سے دیا جائے۔ یہی وہ راستہ ہے جو ملک کو استحکام، ترقی اور خوشحالی کی طرف لے جا سکتا ہے۔ نیپال ہمارا مشترکہ وطن ہے۔ اس کی سلامتی، اس کا امن اور اس کا بھائی چارہ ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ اگر ہم سب مل کر قانون کی پاسداری، باہمی احترام اور انصاف کو مضبوط کریں گے تو کوئی شرپسند قوت اس ملک کے امن کو نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے وطن نیپال کو ہمیشہ امن، اتحاد، انصاف اور باہمی محبت کا گہوارہ بنائے، اور ہر شہری کو امن و سکون کے ساتھ زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وزیر داخلہ سدن گرونگ سے ملاقات اور مسلم قیادت کا فریضہ

قاضیِ نیپال حضرت مفتی عثمان برکاتی صاحب کی قیادت میں مدھیش پردیش کے مسلم وفد کی گریہہ منتری سے اہم ملاقات، مسلمانوں کے مطالبات پیش

پریس ریلیز نیپال اردو ٹائمز

از: ابوارشد مصباحی، مہوتری

جنکپور۔ حالیہ دنوں میں وطنِ عزیز نیپال کے مدھیش پردیش کے بعض اضلاع، بالخصوص سرہا، سنسری، دھنوشا اور مہوتری میں پیدا ہونے والی کشیدہ صورتِ حال، فسادات اور اس کے نتیجے میں ہونے والے جانی و مالی نقصانات کے پیشِ نظر مسلمانوں کی جانب سے ایک اہم وفد نے ملک کے دارالحکومت کاٹھمنڈو کا دورہ کیا۔

اس وفد کی قیادت و صدارت قاضیِ نیپال، مفتیِ اعظمِ نیپال حضرت علامہ مفتی محمد عثمان برکاتی مصباحی، جنکپور نے فرمائی۔

وفد نے مختلف اہم سیاسی و سماجی شخصیات سے ملاقاتیں کیں اور موجودہ حالات کے حوالے سے مسلمانوں کے مسائل، مشکلات اور جائز مطالبات ان کے سامنے پیش کیے۔

ان ملاقاتوں میں سب سے اہم اور قابلِ ذکر ملاقات گریہہ منتری عزت مآب سُدھن گرونگ سے ہوئی۔ ملاقات کے دوران وفد نے مدھیش پردیش میں پیش آنے والے پُرتشدد واقعات، مسلمانوں کو پہنچنے والے جانی و مالی نقصانات اور مذہبی مقامات کو ہونے والے نقصان پر تفصیلی گفتگو کی۔ وفد نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ متاثرین کو بلا تفریق مذہب و برادری انصاف فراہم کیا جائے اور نقصانات کا ازالہ کیا جائے۔

گریہہ منتری صاحب نے وفد کا خوش دلی اور کشادہ دلی کے ساتھ استقبال کیا اور وفد کی جانب سے پیش کیے گئے مطالبات کو توجہ سے سنا۔ انہوں نے مسائل کے حل اور ضروری اقدامات کے سلسلے میں اپنی رضامندی اور مثبت تعاون کا اظہار بھی کیا۔

وفد کی جانب سے پیش کیے گئے اہم مطالبات:

بلا تفریقِ مذہب جن افراد کی جانیں ضائع ہوئی ہیں، ان کے اہلِ خانہ کو مناسب سرکاری معاوضہ فراہم کیا جائے۔

جن لوگوں کے مکانات، دکانیں اور دیگر املاک کو نقصان پہنچا ہے، ان کے نقصانات کا مناسب تخمینہ لگا کر معاوضہ دیا جائے۔

جن مساجد، مدارس اور دیگر مذہبی مقامات میں توڑ پھوڑ، آتش زنی یا تخریب کاری ہوئی ہے، ان واقعات کی مکمل اور غیر جانب دارانہ تحقیقات کی جائیں۔

ان واقعات میں ملوث تمام شرپسندوں اور مجرموں کی شناخت کر کے قانون کے مطابق کارروائی کی جائے، خواہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب یا گروہ سے ہو۔

ملک میں اندرونی طور پر داخل ہونے والے مشتبہ عناصر اور شرپسند افراد کی قانونی طریقے سے تفتیش کی جائے تاکہ مستقبل میں ایسے واقعات کی روک تھام ممکن ہو۔

مساجد، مدارس، مندر، دیگر مذہبی مقامات اور تعلیمی اداروں کی سلامتی کو یقینی بنانے کے لیے مؤثر اقدامات کیے جائیں۔

مذہب کے نام پر ہونے والی نفرت، اشتعال انگیزی، تشدد اور مسلمانوں کے خلاف مبینہ زیادتیوں کی روک تھام کے لیے حکومت مؤثر اور مستقل اقدامات کرے۔

ملک میں امن و امان کو خراب کرنے والے دہشت گرد، فسادی اور شرپسند عناصر کے خلاف بلاامتیاز سخت قانونی کارروائی کی جائے۔

تمام متاثرہ علاقوں میں امن، بھائی چارہ، مذہبی رواداری اور باہمی اعتماد بحال کرنے کے لیے حکومت اور مقامی انتظامیہ مشترکہ طور پر مؤثر اقدامات کریں۔

وفد میں شامل معزز شخصیات

اس اہم وفد کی قیادت و صدارت قاضیِ نیپال، مفتیِ اعظمِ نیپال حضرت علامہ مفتی محمد عثمان برکاتی مصباحی دامت برکاتہم نے فرمائی۔

جب کہ وفد میں علماء فاؤنڈیشن کی نمائندگی کرتے ہوئے مولانا فاروق برکاتی اور مولانا محبوب رضا نظمی صاحبان بھی شریک تھے۔

اسی طرح منصوری یکتا منچ کی جانب سے بحیثیت صدر حاجی جان محمد صاحب، جنکپور، جبکہ بحیثیت اراکین محمد قربان صاحب، مہوا اور محمد حیدر صاحب، جنکپور نے شرکت کی۔ سماجی کارکن کی حیثیت سے عالی جناب حکیم نیتا صاحب، جنکپور بھی وفد کا حصہ تھے۔

واضح رہے کہ گریہہ منتری سے اس اہم ملاقات کا بنیادی ذریعہ عالی جناب محمد دین صاحب، صدر مسلم آیوگ، کاٹھمنڈو رہے، جن کی خصوصی کاوشوں اور تعاون سے گریہہ منتری سے ملاقات کا راستہ ہموار ہوا اور مسلمانوں کو اپنے مسائل، مشکلات اور جائز مطالبات براہِ راست حکومت کے سامنے پیش کرنے کا ایک قیمتی موقع میسر آیا۔

یہ ملاقات اس بات کی واضح مثال ہے کہ موجودہ حالات میں مسلم قیادت، علماء، سماجی کارکنان اور مختلف مسلم تنظیموں کو باہمی اتحاد و اتفاق کے ساتھ پُرامن، آئینی اور جمہوری طریقے سے اپنے مسائل حکومت اور متعلقہ اداروں تک پہنچانے کی ضرورت ہے۔ امید ہے کہ حکومتِ نیپال وفد کی جانب سے پیش کیے گئے مطالبات پر سنجیدگی سے غور کرے گی، متاثرین کو انصاف فراہم کرے گی، جانی و مالی نقصانات کا ازالہ کرے گی اور مستقبل میں ایسے ناخوش گوار واقعات کی روک تھام کے لیے مؤثر اقدامات اٹھائے گی۔

مسلم قیادت کا اصل فریضہ یہی ہے کہ وہ مشکل حالات میں اپنی قوم کے حقوق کی ترجمانی، مظلوموں کی آواز کی نمائندگی اور ملک میں امن، انصاف، بھائی چارے اور مذہبی ہم آہنگی کے فروغ کے لیے مثبت اور مؤثر کردار ادا کرے۔

دوروزہ عرس سیدین حسن وخوبی کے ساتھ اختتام پذیر

سیوان: (پریس ریلیز)۔ 27 صفر المظفر 1448ھ کو دوروزہ عرس سیدین حسن وخوبی کے ساتھ اختتام پذیر۔ ہزاروں فرزندان اسلام اور بادہ میخواران معرفت کی شرکت

(کاغذی محلہ، سیوان، بہار)

عظیم روحانی مرکز کاغذی محلہ، سیوان میں غوثِ زمان حضرت سید عبد الحلیم سیوانی اور قطبِ وقت حضرت سید ابو الخیرات سیوانی (علیہما الرحمۃ والرضوان) کا دوروزہ سالانہ عرسِ خیری نہایت تزک واحتشام، مذہبی جوش و جذبے اور روحانی و قار کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ 26 اور 27 صفر بمطابق 10 اور 11 اگست 2026ء کو منعقدہ اس مبارک تقریب میں ملک بھر سے ہزاروں کی تعداد میں تشنگانِ معرفت اور عقیدت مندوں نے شرکت کی اور فیضانِ خیری سے مستفیض ہوئے۔

پہلے دن کا پروگرام (10 اگست 2026ء، بروز پیر):

عرسِ خیری کا آغاز 10 اگست بعد نمازِ مغرب مزارِ اقدس حضرت سید ابوالخیرات سیوانی علیہ الرحمۃ پر قل شریف اور منقبت خوانی کی محفل سے ہوا۔

منقبت خوانی و قل شریف: شہزادۂ حضور شیخ العالم حضرت مولانا ابو القیس مجددی نے قل شریف پڑھا اور منقبت خوانی کا شرف حاصل کیا۔

شجرہ خوانی و دعا: شہزادۂ حضور شیخ العالم حضرت صوفی ابواللیث نقشبندی نے شجرہ خوانی کی، جبکہ شہزادۂ حضور شیخ العالم حضرت علامہ مولانا رئیس الخیری کی رقت انگیز دعا فرمائی اور صلاۃ و سلام پر محفل کا اختتام ہوا۔

بعد ازاں، تمام رات اور بعد نماز فجر تلاوتِ قرآن، ذکرِ الٰہی اور مراقبے کا سلسلہ جاری رہا جس میں سالکین وذاکرین نے فیوض وبرکات حاصل کیے۔

دوسرے دن کا پروگرام (11 اگست 2026ء، بروز منگل):

جلوسِ چادر و چادر پوشی، قل شریف سید عبد الحلیم سیوانی رحمہ اللہ

صبح 10 بجے حضور شیخ العالم دام ظلہ العالی کی سرپرستی میں حضرت کی قیام گاہ سے عظیم الشان جلوسِ چادر برآمد ہوا، جو نعت و منقبت کے ترانوں کے ساتھ مزارِ اقدس حضرت سید عبد الحلیم سیوانی علیہ الرحمۃ پر پہنچا۔ جلوس میں حضرت مولانا ریحان رضا، مولانا عالیشان رضا خیری اور مفتی محمد صالح خیری نے بارگاہِ رسالت و ولایت میں نعت و منقبت کی ڈالیاں پیش کیں۔ مزارِ شریف پر پہنچ کر شاندار گلپوشی و چادر پوشی کی گئی۔

مزارِ اقدس پر مراسمِ عرس:

چادر پوشی کے بعد شہزادۂ حضور شیخ العالم حضرت مولانا ابو القیس مجددی اور مولانا تحسین رضا نقشبندی نے منقبت خوانی کی۔ قل شریف مولانا ابو القیس مجددی نے پڑھا، شجرہ خوانی حضرت صوفی ابو اللیث نقشبندی نے کی اور آخر میں دعا حضرت علامہ مولانا رئیس الخیری نے فرمائی۔

بعد نماز ظہر و عصر:

قلب شریف سید ابوالخیرات سیوانی:

بعد نمازِ ظہر مزارِ اقدس حضرت سید ابوالخیرات سیوانی علیہ الرحمۃ پر جلوسِ چادر و منقبت خوانی کا سلسلہ چلا، اور بعد نمازِ عصر قل شریف کی تقریب سعید منعقد ہوئی۔

خلافت واجازت کی نوازش:

عصر کی تقریب کا سب سے اہم اور روحانی لمحہ وہ تھا جب حضور شیخ العالم دام ظلہ العالی نے اپنے چھ (6) خوش نصیب مریدین و علماء کو سلسلے کی خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا۔ خلافت حاصل کرنے والے خوش نصیب حضرات درج ذیل ہیں:

مولانا سراج مصباحی نقشبندی سدھارتھ نگر

ڈاکٹر غلام غوث ازہری نقشبندی حیدرآباد

حافظ ہدایت اللہ خیری پڈرونہ

حاج صوفی اقبال احمدی نقشبندی ممبئی

صوفی فاروق نقشبندی ممبئی

مولانا الطاف نقشبندی جموں و کشمیر

عظیم الشان جلسہ عید میلاد النبی ﷺ:

بعد نمازِ عشاء حضور شیخ العالم حضرت مولانا احمد رضا خان نقشبندی کی سرپرستی میں ایک عظمت بھرا جلسۂ عید میلاد النبی ﷺ منعقد ہوا۔

نظامت: جلسے کی نظامت کے فرائض مفتی محمد صالح مصباحی نقشبندی نے بحسن وخوبی انجام دیے۔

شعراء و ثناء خواں: قاری کلیم نقشبندی سیوانی، مولانا ابو القیس نقشبندی، مولانا تحسین رضا نقشبندی، مولانا آفتاب نقشبندی اور حافظ بدرالدین نقشبندی نے اپنے مخصوص اور ترنم ریز انداز میں نعت و منقبت کے نذرانے پیش کیے۔

مقررینِ کرام: جید علماءِ کرام جن میں ڈاکٹر غلام غوث ازہری، مفتی خالد ایوب مصباحی، سید نور عالم مصباحی نقشبندی، مولانا مفتی اویس خیری نقشبندی اور مفتی رئیس الخیری نقشبندی شامل ہیں——نے سیرتِ مصطفیٰ ﷺ اور اولیائے کرام کی تعالیم پر دلپذیر اور فکر انگیز خطابات فرمائے۔

یہ تمام تر پر وقار پروگرام عارف باللہ، شیخ العالم حضرت مولانا احمد رضا خان نقشبندی دام ظلہ العالی کی سرپرستی میں بحسن وخوبی انجام پائے۔

ضیافت و نظم وضبط:

عرس مبارک کے موقع پر زائرین و مہمانوں کے لیے تینوں وقت وسیع و عریض لنگرِ عام کا خاص انتظام کیا گیا تھا۔ کاغذی محلے کے متحرک اور فعال نوجوانوں نے مہمان نوازی اور نظم و ضبط برقرار رکھنے میں پیش پیش رہ کر بہترین خدمات انجام دیں، جس کی تمام زائرین نے کھلے دل سے سراہنا کی۔

صلوٰۃ و سلام اور ملک و ملت کی سلامتی و اتحاد کی دعاؤں کے ساتھ یہ دوروزہ عرس مبارک اپنے اپنے قلوب کو روحانی انوار سے منور کرتے ہوئے امن و سکون کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

رپورٹ: مولانا ابو سعد مصباحی نقشبندی ۔مبارک پوری

تاثرات

نیپال اردو ٹائمز کے سواں شمارہ کی اشاعت کی خبر سن کر طبیعت باغ باغ ہو گئی،

ڈینٹل کیئر سینٹر
شمسی بازار
مہوتری نیپال

اردو زبان سے محبت کرنے والوں کے لیے یہ خبر مسرت بخش، فرحت فزا، سکوں نواز ہے کہ سرزمین نیپال پر اردو ٹائمز کا سواں شمارہ آپ کے مطالعہ کی میز پر دعوت فکر دے رہا ہے پڑھیے سمجھئے لکھیے اور اردو زبان کو فروغ دیجیےء میں نوجوان طبقہ خصوصا طلبہ سے گزارش کروں گا کہ اپنے ملک کے حالات کی اگاہی کے لیے اس اخبار کا مطالعہ ضرور کریں ہفتہ میں ایک روز اس اخبار کے مطالعہ کے بعد پورے ہفتے کی خبر سے آگاہی مل جاتی ہے گویا کہ ایک ہی دستر خوان پہ مختلف انواع واقسام کی اشیاء موجود ہیں، دعاگو

ڈاکٹر، محمد کاظم رضا انصاری، دانت اسپیشلسٹ، رویل
ڈینٹل کیئر سینٹر
شمسی بازار مہوتری نیپال

بارہویں تاریخ

بہار موسم رحمت ہے بارہویں تاریخ
ہوائے صبح مسرت ہے بارہویں تاریخ
ضیاے شمس رسالت ہے بارہویں تاریخ
سراپا نور وہدایت ہے بارہویں تاریخ
وقار باغ رسالت ہے بارہویں تاریخ
بہار گلشن جنت ہے بارہویں تاریخ
سکون وچین ہے رحمت ہے بارہویں تاریخ
قرار وکیف ومسرت ہے بارہویں تاریخ
سجاو کوچہ و قصبہ جلوس بھی نکلیں
نبی کا یوم ولادت ہے بارہویں تاریخ
زمین وآسماں جن وملک گدای ہیں
کشادہ دست سخاوت ہے بارہویں تاریخ
کرو نہ ظلم کسی پر پیام الفت دو
جہاں میں امن کی دعوت ہے بارہویں تاریخ
نجات ہم کو ملے گی اسی کی برکت سے
عظیم وقیمتی دولت ہے بارہویں تاریخ
نہ خوف حشر کا فاروق تو کبھی رکھنا
کہ شان روز قیامت ہے بارہویں تاریخ

نتیجہ فکر: احقر محمد فاروق احمد مصباحی
پرنسپل جامعہ مخدومیہ رضویہ امین پوروہ جھوڑیا سعد اللہ

Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com

ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز

5

مدارس کو سرکاری اسکول نہ بنائیں

ڈاکٹر سالم انصاری
جھاپا نیپال

نیپال میں مسلمانوں کا اپنا دینی تعلیمی نظام صدیوں سے موجود ہے۔ ملک کے مختلف علاقوں میں چھوٹے بڑے ہزاروں مدارس قائم ہیں، جہاں بالخصوص مسلمان بچوں کو دینی تعلیم فراہم کی جاتی ہے۔ مختلف اندازوں کے مطابق نیپال میں تقریباً 2,500 سے 3,000 کے درمیان چھوٹے بڑے مدارس موجود ہیں۔ ان مدارس نے مسلم معاشرے میں قرآن، حدیث، فقہ، عربی زبان اور اسلامی تعلیمات کو زندہ رکھنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کے باوجود ایک بنیادی سوال ہمارے سامنے کھڑا ہے کہ اگر مسلمانوں کے پاس اپنا تعلیمی نظام، اپنے مدارس اور دینی تعلیم کے مراکز موجود ہیں، تو پھر مسلم معاشرے میں شرحِ خواندگی اب بھی اتنی کمزور کیوں ہے؟

یہ سوال مدارس کے خلاف نہیں بلکہ مدارس کی کارکردگی، معیار، سمت اور مستقبل کے بارے میں سنجیدہ غور و فکر کی دعوت ہے۔ ہمیں جذبات کے بجائے اعداد و شمار، زمینی حقیقت اور گزشتہ تجربات کی روشنی میں یہ دیکھنا ہوگا کہ موجودہ نظام نے ہماری نئی نسل کو کہاں تک کامیاب بنایا ہے۔ صرف مدارس کی تعداد زیادہ ہونا اس بات کی ضمانت نہیں کہ معاشرہ تعلیمی طور پر ترقی کر رہا ہے۔ اگر ہزاروں تعلیمی ادارے موجود ہوں لیکن ان سے نکلنے والے بچوں کی بڑی تعداد اعلیٰ تعلیم، روزگار، جدید علوم اور معاشی میدان میں آگے نہ بڑھ سکے تو ہمیں اپنے نظام کا از سرِ نو جائزہ لینا ہوگا۔

یہاں ایک اہم حقیقت یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے تمام بچے صرف مدارس میں تعلیم حاصل نہیں کرتے۔ بہت سے مسلم بچے سرکاری اسکولوں میں پڑھتے ہیں، بہت سے نجی اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور ایک بڑی تعداد مدارس کے ساتھ ساتھ اسکول کی تعلیم بھی حاصل کرتی ہے۔ یعنی ایک ہی معاشرے میں مدارس، سرکاری اسکول اور نجی اسکول تینوں تعلیمی راستے موجود ہیں۔ اس کے باوجود اگر مسلم معاشرے کی مجموعی شرحِ خواندگی اور تعلیمی معیار مطلوبہ سطح تک نہیں پہنچ رہا تو صرف یہ کہنا کافی نہیں کہ مسلمانوں کے پاس مدارس موجود ہیں۔ ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ہمارے تعلیمی ادارے بچوں کو کس معیار کی تعلیم دے رہے ہیں، ان کی تعلیم کتنی مسلسل ہے، کتنے بچے بنیادی تعلیم کے بعد اعلیٰ تعلیم تک پہنچتے ہیں اور کتنے بچے تعلیم مکمل کرنے کے بعد روزگار اور عملی زندگی کے لیے تیار ہوتے ہیں۔

نیپال کی حکومت نے بھی وقتاً فوقتاً مدارس کو قومی تعلیمی نظام کے مین اسٹریم میں لانے کے لیے مختلف اصلاحات اور اقدامات کیے ہیں۔ جن مدارس نے رجسٹریشن کرایا، قانونی نظام کو قبول کیا اور مین اسٹریم کے نصاب و تعلیمی نظام کو اپنانے کی طرف قدم بڑھایا، ان کو حکومت کی جانب سے مالی اور دیگر معاونت بھی فراہم کی گئی۔ اس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ مدارس کی دینی شناخت کو ختم کرنا نہیں بلکہ وہاں زیرِ تعلیم بچوں کو بھی بنیادی اور عصری تعلیم کے ان مواقع تک رسائی حاصل ہو جو ملک کے دوسرے بچوں کو حاصل ہیں۔ اس طرح مدرسے کے طالب علم کو دینی تعلیم کے ساتھ قومی تعلیمی نظام سے جڑنے کا موقع مل سکے اور مستقبل میں وہ اعلیٰ تعلیم اور روزگار کے مختلف شعبوں میں بھی آگے بڑھ سکے۔ یہ بات بھی تسلیم کرنی چاہیے کہ حکومتی مالی امداد سے بہت سے مدارس نے اچھا فائدہ اٹھایا۔ کئی اداروں نے اپنے تعلیمی ڈھانچے کو بہتر کیا، اساتذہ کی تعداد اور معیار میں بہتری لائی، جدید مضامین کو جگہ دی اور سرکاری نظام کے ساتھ مربوط ہونے کی کوشش کی۔ ایسے مدارس اس بات کی مثال ہیں کہ اگر دینی ادارے اپنی شناخت برقرار رکھتے ہوئے جدید تعلیمی تقاضوں کو قبول کریں تو وہ بہت مؤثر تعلیمی مراکز بن سکتے ہیں۔

لیکن دوسری طرف یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ بہت سے مدارس، خصوصاً دیہی اور دور دراز علاقوں میں موجود ادارے، اس مالی امداد اور مواقع کا مطلوبہ اور مؤثر استعمال نہیں کر سکے۔ کہیں انتظامی کمزوری رہی، کہیں نگرانی کا فقدان رہا، کہیں وسائل کا درست استعمال نہیں ہوا اور کہیں صرف سرکاری امداد حاصل کرنا ہی مقصد بنتا چلا گیا۔ نتیجتاً بہت سے ایسے مدارس بھی جو کبھی اپنے مضبوط تعلیمی اور اخلاقی نظام کے لیے جانے جاتے تھے، آہستہ آہستہ ایک کمزور سرکاری اسکول کے ماڈل کے پیچھے چلنے لگے۔

یہاں اصل مسئلہ سرکاری اسکول ہونا نہیں بلکہ کمزور تعلیمی معیار کی نقل کرنا ہے۔ سرکاری اسکولوں میں بھی بہت سے بہترین ادارے اور قابل اساتذہ موجود ہیں، لیکن جہاں کسی بھی تعلیمی ادارے میں حاضری کا کمزور نظام، اساتذہ کی غیر مؤثر کارکردگی، انتظامی بے قاعدگی، کمزور نگرانی، سیاسی مداخلت، وسائل کا غیر مؤثر استعمال اور نتائج کے لیے جواب دہی کا فقدان پیدا ہو جائے، وہاں ادارہ اپنی اصل روح کھو دیتا ہے۔ اگر مدارس نے ایسے کمزور پہلوؤں کو اپنایا تو یہ ان کے لیے ترقی نہیں بلکہ زوال کا راستہ ہوگا۔

اسی لیے یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ مدارس کو سرکاری اسکول نہیں بننا چاہیے، بلکہ اچھے نجی اسکولوں سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ نجی شعبے کے بہت سے تعلیمی اداروں نے محدود وسائل کے باوجود یہ ثابت کیا ہے کہ بہتر انتظام، قابل اساتذہ، والدین سے مسلسل رابطہ، طلبہ کی باقاعدہ نگرانی، انگریزی اور دیگر زبانوں پر توجہ، کمپیوٹر اور ٹیکنالوجی کا استعمال، نظم و ضبط اور تعلیمی نتائج پر توجہ کے ذریعے ایک چھوٹا ادارہ بھی ایک بڑا تعلیمی مرکز بن سکتا ہے۔

مدارس کو یہ دیکھنا چاہیے کہ ایک کامیاب نجی اسکول اپنے طلبہ اور والدین کا اعتماد کیسے حاصل کرتا ہے۔ وہ اپنے اساتذہ کا انتخاب کیسے کرتا ہے؟ اساتذہ کی تربیت کیسے کرتا ہے؟ طلبہ کی کارکردگی کیسے جانچتا ہے؟ والدین کو بچوں کی پیش رفت سے کیسے آگاہ کرتا ہے؟ اسکول کی مالیات اور انتظام کیسے چلاتا ہے؟

طلبہ کو صرف کتابی معلومات کے بجائے عملی زندگی کے لیے کیسے تیار کرتا ہے؟ مدارس اگر ان سوالات کے جوابات تلاش کریں اور اپنے ماحول کے مطابق ان اصولوں کو اپنائیں تو وہ اپنی دینی شناخت برقرار رکھتے ہوئے بہت بہتر نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔

یہ بھی ضروری ہے کہ مدارس اپنی کامیابی کا معیار صرف طلبہ کی تعداد کو نہ بنائیں۔ ایک مدرسے میں پانچ سو بچے پڑھ رہے ہوں لیکن اگر ان میں سے بڑی تعداد بنیادی تعلیم بھی مکمل نہ کر سکے تو صرف تعداد کسی کامیابی کی علامت نہیں۔ اصل کامیابی یہ ہے کہ مدرسے سے نکلنے والا طالب علم قرآن و حدیث کی بنیادی سمجھ رکھنے کے ساتھ ساتھ زبان، ریاضی، سائنس، کمپیوٹر، تحقیق، ابلاغ اور عملی زندگی کی بنیادی مہارتوں سے بھی آراستہ ہو۔ اسے آگے کالج اور یونیورسٹی جانے کا راستہ معلوم ہو، مختلف پیشوں میں داخل ہونے کی صلاحیت ہو اور معاشرے میں ایک باوقار اور مفید شہری کے طور پر اپنا کردار ادا کرنے کے قابل ہو۔

مدارس کی سب سے بڑی طاقت ان کی دینی شناخت ہے، اسے ختم کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ دینی تعلیم کو مزید معیاری بنایا جائے اور اس کے ساتھ عصری تعلیم کو مضبوط کیا جائے۔ قرآن، حدیث، فقہ، عربی اور اسلامی تاریخ کے ساتھ انگریزی، نیپالی، ریاضی، سائنس، کمپیوٹر، سماجی علوم، معاشیات اور دیگر ضروری مضامین بھی مناسب معیار کے ساتھ پڑھائے جائیں۔ اس طرح مدرسہ ایسا ادارہ بن سکتا ہے جہاں طالب علم اپنی دینی اور ثقافتی شناخت بھی برقرار رکھے اور جدید دنیا میں کامیاب ہونے کے لیے ضروری صلاحیتیں بھی حاصل کرے۔

خاص طور پر دیہی علاقوں کے مدارس کے لیے اس اصلاح کی ضرورت زیادہ ہے۔ دیہی علاقوں میں رہنے والے بچوں کے لیے مدرسہ اکثر تعلیم کا سب سے قریب اور قابلِ رسائی ادارہ ہوتا ہے۔ اگر وہاں موجود ادارہ کمزور ہوگا تو اس کا سب سے زیادہ نقصان غریب اور پسماندہ خاندانوں کے بچوں کو ہوگا۔

اس لیے سرکاری امداد کا مقصد صرف عمارت بنانا، فرنیچر خریدنا یا چند اساتذہ کی تنخواہ ادا کرنا نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اس امداد کو تعلیمی نتائج، اساتذہ کی تربیت، طلبہ کی حاضری، تعلیمی معیار، شفاف انتظام اور مستقبل کی منصوبہ بندی سے جوڑنا چاہیے۔

حکومت کو بھی اپنی پالیسی پر نظرِ ثانی کرنی چاہیے۔ مدارس کو مین اسٹریم میں لانے کا مطلب صرف انہیں سرکاری امداد دینا نہیں ہونا چاہیے۔ امداد کے ساتھ واضح معیار، نگرانی، آڈٹ، تعلیمی جائزہ اور جواب دہی بھی ضروری ہے۔ جو مدرسہ اچھی کارکردگی دکھائے اسے مزید سہولت دی جائے، جو کمزور ہو اسے اصلاح کا موقع دیا جائے اور جہاں مسلسل بدانتظامی ہو وہاں مناسب قانونی کارروائی اور اصلاحی اقدامات کیے جائیں۔ اس طرح سرکاری وسائل بھی ضائع نہیں ہوں گے اور مدارس کے طلبہ کا مستقبل بھی محفوظ ہوگا۔

مدارس کی انتظامیہ کو بھی یہ سمجھنا ہوگا کہ سرکاری امداد کوئی مستقل حل نہیں بلکہ اصلاح اور ترقی کا ایک موقع ہے۔ اگر حکومت نے وسائل فراہم کیے ہیں تو ان کا مقصد ادارے کو مزید مضبوط بنانا ہونا چاہیے۔ مدرسہ اپنی آمدنی، عطیات، وقف، سابق طلبہ اور مقامی معاشرے کے تعاون کو بھی منظم کرے۔ مالی معاملات میں مکمل شفافیت، باقاعدہ حساب کتاب اور مناسب آڈٹ کو لازمی بنایا جائے۔ جب لوگوں کو یقین ہوگا کہ ان کا دیا ہوا چندہ اور حکومت کی دی ہوئی امداد واقعی بچوں کی تعلیم اور ادارے کی بہتری پر خرچ ہو رہی ہے تو مدارس کے لیے معاشرتی اعتماد بھی بڑھے گا۔

ہمیں یہ بھی سمجھنا ہوگا کہ مدارس اور سرکاری یا نجی اسکول ایک دوسرے کے مخالف نہیں ہیں۔ مسئلہ ادارے کی ملکیت یا نام کا نہیں، معیار کا ہے۔ ایک سرکاری اسکول بھی بہترین ہو سکتا ہے اور ایک نجی اسکول بھی کمزور ہو سکتا ہے؛ اسی طرح ایک مدرسہ بھی اعلیٰ معیار کا ہو سکتا ہے اور دوسرا مدرسہ انتہائی کمزور۔ اس لیے مدارس کو کسی ایک شعبے کی اندھی تقلید کرنے کے بجائے دنیا بھر کے کامیاب تعلیمی ماڈلز کا مطالعہ کرنا چاہیے اور اپنے مذہبی، سماجی اور مقامی حالات کے مطابق بہترین نظام تیار کرنا چاہیے۔

آخر کار ہمیں یہ سوال اٹھانا ہوگا کہ اگر ہزاروں مدارس موجود ہونے کے باوجود مسلمان تعلیمی میدان میں پیچھے رہ رہے ہیں تو کیا صرف مدارس کی تعداد بڑھانا کافی ہے؟ یقیناً نہیں۔ ہمیں مدارس کی تعداد نہیں، معیار بڑھانا ہوگا۔ ہمیں ایسے مدارس چاہئیں جو دینی تعلیم کے مراکز ہونے کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم، کردار سازی، تحقیق، زبانوں، ٹیکنالوجی اور روزگار کی تیاری کے بھی مضبوط مراکز ہوں۔ ہمیں ایسے مدارس چاہئیں جن کے فارغ التحصیل طلبہ صرف امام، خطیب یا مدرس ہی نہیں بلکہ ڈاکٹر، انجینئر، استاد، وکیل، صحافی، مترجم، محقق، کاروباری شخصیت اور مختلف شعبوں کے ماہر بھی بن سکیں، جبکہ اپنی دینی شناخت اور اخلاقی اقدار کو بھی برقرار رکھیں۔

لہٰذا مدارس کو سرکاری اسکول بنانے کی بحث سے آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔ حکومت کا کام مدارس کو معیار، قانون، نگرانی اور ضروری تعاون فراہم کرنا ہے؛ مدارس کا کام اپنی دینی شناخت برقرار رکھتے ہوئے تعلیمی معیار بلند کرنا ہے؛ اور معاشرے کا کام ان اداروں سے جواب دہی، شفافیت اور بہتر نتائج کا مطالبہ کرنا ہے۔ مدارس کو کمزور سرکاری اسکولوں کی نقل نہیں کرنی چاہیے بلکہ کامیاب نجی تعلیمی اداروں، جدید تعلیمی ماڈلز اور اپنے بہترین دینی تعلیمی ورثے سے سیکھ کر اپنا منفرد نظام تیار کرنا چاہیے۔

مدرسے سرکاری اسکول نہ بنیں؛ مدرسے ایسے معیاری تعلیمی ادارے بنیں جنہیں دیکھ کر سرکاری اور نجی دونوں شعبے سیکھنے پر مجبور ہوں۔ یہی مدارس کے تحفظ، اصلاح اور ترقی کا زیادہ مضبوط راستہ ہے۔

ڈاکٹر سلیم انصاری
جھاپا نیپال

Editorial

نیپال میں شر پسند عناصر سے نمٹنا حکومت کی اہم ذمہ داری!

ایڈیٹر کے قلم سے۔۔۔۔۔

ملک کے حالات جس قدر بگڑے ہیں، یہ کسی سے مخفی نہیں۔ یوں تو جب سے ملک میں جمہوری نظام قائم ہوا ہے، تب سے اب تک مختلف ادوار میں سیاسی، سماجی اور مذہبی سطح پر کشیدگی کے واقعات سامنے آتے رہے ہیں۔ ایک طبقہ مسلسل نیپال کو ہندو راشٹر بنانے کے مطالبے پر اصرار کرتا رہا ہے۔ حکومتیں بدلتی رہیں، حالات بنتے اور بگڑتے رہے، لیکن حالیہ واقعات نے ملک کے امن و امان اور باہمی ہم آہنگی کے حوالے سے ایک بار پھر کئی سنجیدہ سوالات کھڑے کر دیے ہیں۔

سنسری میں پیش آنے والے حادثے نے نیپال کی تاریخ میں ایک تشویش ناک باب کا اضافہ کیا ہے۔ جس انداز سے مسلم مخالف نعرے بازی ہوئی اور ایک مخصوص مذہبی طبقے کو نشانہ بنانے کی کوشش کی گئی، وہ پورے ملک کے لیے باعثِ تشویش ہے۔ کسی بھی جمہوری معاشرے میں مذہب، زبان اور تہذیب کی آزادی ہر شہری کا بنیادی حق ہے۔ کسی فرد یا گروہ کو محض اس کے مذہب یا شناخت کی بنیاد پر خوف زدہ کرنا یا اسے نشانہ بنانا کسی صورت قابلِ قبول نہیں ہونا چاہیے۔

ایک طرف ملک کی فوج اور انتظامیہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ امن و چین کو نقصان پہنچانے والے عناصر کس طرح حالات کو کشیدہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، تو دوسری طرف مسلمانوں کے مکانات اور تجارتی سامان کو جس طرح نذرِ آتش کیا گیا، وہ نہایت افسوس ناک اور دل دہلا دینے والا واقعہ ہے۔ ایسے واقعات صرف ایک طبقے کو نقصان نہیں پہنچاتے بلکہ پورے ملک کے امن، معیشت اور قومی یکجہتی کو متاثر کرتے ہیں۔

جمہوری نظام کی بنیادی روح یہی ہے کہ ریاست اپنے تمام شہریوں کے ساتھ بلاامتیاز یکساں سلوک کرے۔ مسلمان ہوں، ہندو ہوں، بدھ مت کے پیروکار ہوں یا کسی اور مذہب سے تعلق رکھنے والے شہری——سب کو اپنے مذہب پر عمل کرنے، اپنی عبادت گاہیں قائم رکھنے اور پُرامن زندگی گزارنے کا یکساں حق حاصل ہونا چاہیے۔ اسی طرح کسی بھی مذہب، مقدس شخصیت یا عقیدے کی توہین بھی قانون کے دائرے میں قابلِ گرفت ہونی چاہیے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض عناصر مذہبی جذبات کو بھڑکا کر اپنے سیاسی یا گروہی مفادات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سوشل میڈیا اور عوامی اجتماعات میں اشتعال انگیز نعروں اور نفرت انگیز بیانات کے ذریعے معاشرے میں تقسیم پیدا کرنا کسی بھی صورت قومی مفاد میں نہیں۔ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے عناصر کی شناخت کرے، قانون کے مطابق کارروائی کرے اور کسی بھی شہری کو قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت نہ دے۔ ملک کے وزیر داخلہ کا متاثرہ فریقین سے ملاقات کرکے معاملے کو سلجھانے کی کوشش کرنا ایک مثبت قدم ہے، لیکن صرف ملاقات اور وقتی مفاہمت کافی نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ واقعات کی غیر جانب دارانہ تحقیقات ہوں، ذمہ دار افراد کو قانون کے مطابق سزا دی جائے اور متاثرین کو ان کے نقصانات کا مناسب ازالہ فراہم کیا جائے۔ اگر شر پسند عناصر کو بار بار چھوٹ ملتی رہی تو اس سے نہ صرف ان کے حوصلے بلند ہوں گے بلکہ مستقبل میں مزید سنگین واقعات کا خطرہ بھی پیدا ہوگا۔ نیپال کی خوب صورتی اس کی مذہبی اور ثقافتی گوناگونی میں ہے۔ مختلف مذاہب اور قومیتوں سے تعلق رکھنے والے لوگ صدیوں سے اس سرزمین پر آباد ہیں۔ یہی تنوع ملک کی طاقت ہے، کمزوری نہیں۔ کسی ایک مذہب یا طبقے کو دوسرے کے مقابل کھڑا کرکے ملک کو ترقی کی راہ پر نہیں لے جایا جا سکتا۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ مذہبی منافرت اور انتہا پسندی کے خلاف واضح اور دو ٹوک پالیسی اختیار کرے۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں کو سیاسی دباؤ سے آزاد ہو کر کارروائی کا اختیار دیا جائے اور عوام کو بھی یہ پیغام دیا جائے کہ اختلافِ رائے کا حق سب کو حاصل ہے، لیکن تشدد، توڑ پھوڑ، آتش زنی اور مذہبی نفرت پھیلانے کی اجازت کسی کو نہیں۔

کاکروچ جنتا پارٹی اور بھارتی میڈیا کا بدلتا چہرہ،

از، محمد اشفاق مصباحی،

16 مئی 2026 کی نوزائیدہ آن لائن کھڑی کی گئی کاکروچ جنتا پارٹی نے بھارتی گودی میڈیا کو اپنے رویہ میں تبدیلی لانے پر مجبور کر دیا ہے، واضح ہو کہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس نے ایک مقدمہ کی سماعت کے دوران یہ بات کہی کہ جن لوگوں کی نوکری نہیں ہوتی ہے وہ کچھ آر ٹی آئی کارکن بن جاتے ہیں کوئی ٹرسٹ کھول لیتا ہے ، یہ کاکروچ کی طرح ہے جو پورے سسٹم کو برباد کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے حساب سے چلانے کی کوشش کرتے ہیں ،ان کے اس تلخ تبصرہ کے بعد 12 سالوں نوکری کی آس لگائے بیٹھے ہوئے نوجوان طبقہ خصوصا جین زی واضح ہو کہ جین زیڈ، جس بچہ کی پیدائش 1997 سے لے کر 31 دسمبر 2012 کے بیچ ہوئی ہے ان کو جین زی کہا جاتا ہے وہ نیٹ جیسے اعلیٰ امتحان کے پرچوں کے لیک ہونے کی وجہ سے پریشان تھے اور خاص بات یہ ہے کہ بی پی ایس سی کے نیٹ ایگزام کے پرچہ لیک ہونے کی وجہ سے تقریبا 20 طلبہ و طالبات نے خودکشی کر لی بہت سارے محنتی بچوں کے سپنوں پر پانی پھر گیا جس کی وجہ سے کثرت کے ساتھ لوگ اس تحریک سے جڑتے چلے گئے شروع میں موجودہ حکومت نے اس کو ایک تنزیہ پارٹی سمجھ کر نظر انداز کیا مگر جب انسٹا گرام پر اس کے چند ہی دنوں میں دو کروڑ فلاورز ہو گئے تو حکومت کے پاؤں تلے زمین کھسک گئی اور انہوں نے آنن فانن میں اس کے اکاؤنٹ کو بند کرا دیا اس کے بعد اس کے بانی ابھیجیت دیپکے نے دوسرا اکاؤنٹ بنایا اور لوگوں سے اس سے جڑنے کی اپیل کی لوگ اس سے جڑتے چلے گئے جس کے نتیجے میں جنتر منتر پر بھوک ہڑتال شروع ہوئی بھوک ہڑتال میں لداخ کے مشہور و معروف سائنسدان سونم وانچک نے بھوک ہڑتال کیا اور ان کے علاوہ لیفٹ پارٹی طلبہ یونین کی نیشنل صدر نیہا بورانے بھی 23 دن کی بھوک ہڑتال کی واضح ہو کہ نیہا بورا یہ جین یو کی طالبہ ہے اور ابھی وہیں سے پی ایچ ڈی کر رہی ہیں یہ اتراکھنڈ کی رہنے والی ہے اور لفٹ یعنی کمیونسٹ پارٹی سے جڑی ہوئی ہے طلبہ کی تحریک تیز ہوتی چلی گئی اور پورے ملک سے طلبہ دہلی کے جنتر منتر پر پہونچنے لگے تحریک میں حصہ لینے والے بھوکے نہ رہے اس کے لیے لوگوں نے دور دراز سے آن لائن آرڈر کرکے کھانے پینے کی اشیاء بھیجنے لگے جنید بھائی جو یوپی کے رہنے والے ہیں انہوں نے تقریبا ایک مہینے تک لوگوں کے لے، کھانے کا اسٹال لگایا بعد میں حکومت کی دبش بڑھی اور 20 جولائی کو سنسد کا گھیراؤ کیا گیا جس میں اتنی بھیڑ امڈی کے گورنمنٹ کے پسینے چھوٹ گئے طلبہ پہ لاٹھی چارج کیا گیا، طالبات کے ساتھ ذاتیاں کی گئیں ان کے کپڑے پھاڑ دیے گئے اور ان کے جسم کے پرائیویٹ حصے پر پولیس نے ڈنڈے سے وار کیا مگر ان طلبہ اور طالبات نے ہار نہ مانی اور ڈٹے رہے ان کا مطالبہ تھا کہ وہ زیر تعلیم دھرمیندر پردھان استعفیٰ دے بالآخر مجبور ہو کر دھرمیندر پردھان کو استعفیٰ دینا پڑا اور ایک سمجھوتہ ہوا کہ تحریک میں حصہ لینے والے کسی بھی طلبہ پر کوئی قانونی کاروائی نہیں کی جائے گی اس کے باوجود طلبہ کی بے شمار گرفتاریاں ہوئی بعض طلبہ ابھی بھی جیل میں بند ہے بہار کے سیوان میں احتجاجی طلبہ پر اے کے 47 سے گولی چلائی گئی جس کے نتیجے میں تین بچوں کو گولی لگی ہے اس دوران اس تحریک کو کور کرنے کے لیے یوٹیوبر کے علاوہ نیشنل چینل کے اینکر بھی وہاں پہنچے طلبہ نے نیشنل چینل کے لوگوں کو دیکھتے ہیں دوڑایا اور گودی میڈیا گو بیک گو بیک کے نعرے لگائے ان کو ذلیل و رسوا کیا ان کے رپورٹروں کے ساتھ مارپیٹ کی گیء جس کے بعد نیشنل میڈیا جو سرکار کی مدح خوانی اور قصیدہ خوانی میں 12 سال سے لگا ہوا تھا اس کے رویے میں اچانک تبدیلی آگئی ہے اب تھوڑی سی جگہ ان طلبہ کے لیے بھی بنی ہے اور طلبہ کو وہ ٹی وی پر بلا کے ان کے سوالات جان رہے ہیں ان کی مانگیں اٹھا رہے ہیں تو اس طرح سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس تحریک نے گودی میڈیا کو بھی جھکنے پر مجبور کر دیا ہے جو اپوزیشن پارٹیوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے ان کی باتوں کو نظر انداز کرتے تھے اور حکومت سے سوال پوچھنے کے بجائے رات دن ان کی چاپلوسی کرنے میں ہی اپنی قابلیت سمجھتے تھے گویا کہ اس تحریک نے گوڈی میڈیا کو اپنے رویہ بدلنے پر مجبور کر دیا ہے جس کی وجہ سے ان کے رویہ میں ابھی کچھ تبدیلی دکھائی دے رہی ہے، گودی میڈیا سدھر گیا ہے ایسا کہنا جلد بازی ہوگی اس لیے ہم آنے والے وقت کا انتظار کریں گے آگے آگے دیکھیےء ہوتا ہے کیا؟،

مضمون نگار نے ہندوستان کے حالیہ دنوں ہوئے مظاہرے اور کاکروچ جنتا پارٹی کی مناسبت سے مضمون کو تیار کیا ہے نیپال کی سیاسی و سماجی معاملات سے اس مضمون کا کوئی تعلق نہیں: ادارہ نیپال اردو ٹائمز

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

نجات کا واحد راستہ: شریعتِ مطہرہ

امام ربانی، مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ کے فرمان کے تناظر میں

از: محمد شمیم احمد نوری مصباحی
خادم: دارالعلوم انوار مصطفیٰ درگاہ حضرت پیر سید حاجی عالی شاہ بخاری، پچھمائی نگر، سہلاؤ شریف، گرڈیا، (راجستھان)

انسانی زندگی کے جملہ احوال میں اگر کوئی ایسا چراغ ہے جو تاریکیوں کو اجالوں میں بدل دے، اور اگر کوئی ایسا سہارا ہے جو گمراہی کے گرداب سے نکال کر نجات کے ساحل تک پہنچا دے، تو وہ صرف اور صرف شریعتِ مطہرہ ہے۔ یہی وہ راہ ہے جو بندے کو خالق سے جوڑتی ہے، اور مخلوق کے ساتھ اس کے تعلق کو عدل واحسان کے سانچے میں ڈھالتی ہے۔

امامِ ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ نے اسی حقیقت کو ایک جملے میں سمیٹ دیا:

"نجات کا ذریعہ شریعت ہی ہے۔"
(مکتوبات امام ربانی، حصہ سوم، مکتوب 143)

یہ کلمات نہ صرف دینِ متین کی اصل روح کو واضح کرتے ہیں بلکہ اُن تمام باطل نظریات کا رد بھی ہیں جن میں یہ مغالطہ دیا جاتا ہے کہ "شریعت ایک چیز ہے اور طریقت دوسری چیز۔" حقیقت یہ ہے کہ طریقت دراصل شریعت ہی کا باطن ہے۔ جس طرح جسم بغیر

طریقت بغیر شریعت کے کھوکھلا اور بے معنی ہے۔ جو لوگ طریقت کو شریعت سے الگ کر کے پیش کرتے ہیں وہ یا تو حقیقتِ دین سے ناواقف ہیں یا پھر اپنی خواہشات کے اسیر ہیں۔ ایسے ظاہر بیں حضرات کو اہلِ طریقت کی باریک بینی اور حقیقت آشنا نگاہ کہاں نصیب ہو سکتی ہے؟

اہلِ طریقت کی اصل پہچان یہ ہے کہ وہ شریعت کی ایک ایک بات پر عمل پیرا ہوں۔ ان کی راتوں کی عبادتیں، دن کے معاملات، ذکر و اذکار اور حال و قال سب کچھ شریعت کے تابع ہوتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "میری سنت سے رو گردانی کرنے والا مجھ سے نہیں۔" پس طریقت کی راہ شریعت کے بغیر کبھی ممکن ہی نہیں۔ طریقت وہ نخلستان ہے جو شریعت کی زمین سے پھوٹتا ہے، اور تصوف وہ خوشبو ہے جو اطاعتِ مصطفیٰ ﷺ کے گلستان سے اٹھتی ہے۔

اصل تصوف یہی ہے کہ دل میں محبتِ رسول ﷺ ہو، اعضا میں سنتِ رسول ﷺ کی جھلک ہو، اور زندگی کے ہر گوشے میں شریعت کی روشنی۔ یہی پیغام حضرت امامِ ربانی نے دیا، یہی حقیقت اولیائے کرام نے سمجھائی، اور یہی راز ہر عارف نے اپنی مجلس میں بیان کیا۔

الحاصل نجات نہ تو محض خواب و خیال میں ہے، نہ ہی کسی خودساختہ کشف و کرامت میں۔ نجات کا واحد راستہ صرف شریعت ہے۔ جو شریعت کا مسافر ہے وہی طریقت کے اسرار و رموز تک رسائی پاتا ہے، اور جو شریعت سے غافل ہے وہ نہ دنیا کا ہے نہ دین کا۔ پروردگارِ عالم اپنے فضل و کرم سے ہمیں شریعتِ مطہرہ کا پابند بنائے، اطاعتِ مصطفیٰ ﷺ کا خوگر بنائے اور طریقت کے حقیقی اسرار ورموز سے بہرہ مند فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو محبتِ رسول ﷺ سے لبریز فرمائے، ہمارے اعمال کو نورِ سنت سے مزین فرمائے اور ہماری زندگی کو شریعت کے اجالوں سے آراستہ بنائے۔ اللہ وحدہٗ لاشریک! ہمیں دنیا و آخرت میں اپنی رضا و قرب کا جام نصیب فرمائے اور خاتمہ ایمان پر عطا فرمائے۔

انضمام کٹیہار

موت کو یاد کر موت کو یاد کر
غفلتیں چھوڑ دے رب سے ہر دم تُو ڈر
موت کو یاد کر موت کو یاد کر

اِس جوانی پہ اپنی نہ اتراؤ تم
دل کو دنیا سے اپنا نہ بہلاؤ تم
بچ نہ پائے گا دنیا میں کوئی بشر
موت کو یاد کر موت کو یاد کر

دو گھڑی کی ہے دنیا مسافر ہیں سب
کیا پتہ ہے تری موت آجائے کب
پھرنہ کام آئے گا کوئی جان جگر
موت کو یاد کر، موت کو یاد کر

عاصیو! آؤ میری صدا یہ سنو
پنج وقتہ نمازیں ہمیشہ پڑھو
رب تمہیں بخش دے گا دعائیں تو کر
موت کو یاد کر، موت کو یاد کر

سانس اک دن اچانک ٹھہر جائے گی
زندگی کی یہ محفل بکھر جائے گی
پھر نہ مل پائے گا توبہ کا یہ سفر
موت کو یاد کر، موت کو یاد کر

صرف شبّیر رب سے دُعا یہ تُو کر
خاتمہ ہو ہمارا بھی ایمان پر
حشرمیں کوئی ہوگا نہ خوف و خطر
موت کو یاد کر، موت کو یاد کر

کائناتی ربط اور مربوط نظامِ زندگی: فکر و فہم کی ضرورت

بختیار برکاتی
دہلی، دارالحکومت ہند

تمہید

اگر ہم کائنات پر غور کریں تو نظامِ قدرت کا سب سے بڑا سبق "ربط اور توازن" (Integration & Balance) ہے۔

سورج، چاند، زمین، ہوا اور پانی الگ الگ عناصر ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے اس طرح مربوط ہیں کہ ان کا یہ باہمی تعاون زمین پر زندگی کو ممکن بناتا ہے۔ قدرت نے انسان کی جسمانی ساخت، فطرت اور ضرورتوں میں بھی ایک گہرا مربوط نظام (Integrated System) رکھا ہے۔

المیہ یہ ہے کہ انسان نے نظریاتی تعصبات، تجارتی منافع اور فکری تقسیم کی بنا پر ان شعبوں کو الگ الگ خانوں میں بانٹ دیا ہے، جس کے نتیجے میں آج کا انسان مادّی ترقی کے باوجود عدمِ استحکام اور معاشی و نفسیاتی ناہمواری کا شکار ہے۔

1. کائناتی و فطری ربط: ایک روشن حقیقت
قدرت نے انسانی وجود کو کبھی حصوں میں تقسیم نہیں کیا۔ انسان صرف گوشت پوست کا نام نہیں، بلکہ وہ جسم، عقل، روح، جذبات اور ماحول کا مجموعہ ہے۔

جسمانی و نفسیاتی ربط: جب انسان ذہنی دباؤ یا اخلاقی بحران کا شکار ہوتا ہے، تو اس کا اثر سیدھا اس کے جسم پر بیماری (مثلاً بلڈ پریشر، معدے کے امراض، دل کے عارضے) کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

زیست کا ماحول سے ربط: انسانی صحت کا تعلق صرف ادویات سے نہیں بلکہ پاکیزہ غذا، صاف ہوا، اور متوازن لائف سٹائل سے ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قدرت نے انسان کو ہر سطح پر مربوط بنایا ہے اور بیماریوں اور مسائل کا اصل سبب اس فطری توازن کا بگڑنا ہے۔

2. تمام شعبہ ہائے زندگی میں "مربوط فکر" کی ضرورت
جب صحت کے شعبے میں تعصبات سے اوپر اٹھ کر "تکمیلی و مربوط طب (Integrative Medicine)" کا ماڈل اپنایا جا سکتا ہے—جہاں ایلوپیتھی، یونانی، آیوروید اور ہومیوپیتھی ایک ساتھ مل کر مریض کو شفا دیتے ہیں—تو زندگی کے دیگر شعبوں میں اس ماڈل کی ضرورت اور بھی بڑھ جاتی ہے:

(الف) معیشت میں خدمت اور تجارت کا ربط
موجودہ دور کی معاشی ناہمواری کی بڑی وجہ یہ ہے کہ معیشت کو اخلاقیات سے الگ کر کے صرف منافع خوری اور کنٹرول کی بنیاد پر استوار کر دیا گیا ہے۔ اگر معیشت میں "خدمتِ خلق" اور "منصفانہ تقسیمِ دولت" کے انسانی و روایتی اصولوں کو جدید تجارتی وسائل کے ساتھ مربوط کر دیا جائے، تو غربت اور معاشی تناؤ کا خاتمہ ممکن ہے۔

(ب) تعلیم میں سائنس اور اخلاقیات کا ربط
جدید تعلیم نے انسان کو عقل اور ٹیکنالوجی کی طاقت تو دی، لیکن روح اور اخلاقیات کی تربیّت سے دور کر دیا۔ ایک متوازن اور جامع تعلیمی نظام وہ ہے جو جدید سائنسی علوم کے ساتھ ساتھ انسان میں ہمدردی، سچائی، خدمت اور اخلاقی ذمے داری کا شعور بھی بیدار کرے۔

(ج) سماجی ہم آہنگی اور قدرِ مشترک (Common Ground)
ہر سچے نظریے، مذہب اور فکر میں چند باتیں بنیادی اور مشترک ہوتی ہیں: عدل، امانت، انسانی جان کا احترام، اور محتاجوں کی مدد۔ اگر ہم اختلافات کو پسِ پشت ڈال کر ان قدرِ مشترک پر اکٹھے ہو جائیں، تو ایک ایسا سماجی نظام وجود میں آ سکتا ہے جہاں ہر انسان کو تحفظ اور فلاح میسر ہو۔

3. درست سمت کی طرف فکری پیشرفت
دنیا اب آہستہ آہستہ اس حقیقت کو تسلیم کر رہی ہے کہ یکطرفہ سوچ (Exclusivity) سے مسائل حل نہیں ہوتے۔
دنیا اب کثیر جہتی تعلیم (Multidisciplinary Approach) کی طرف لوٹ رہی ہے۔
معیشت میں پائیدار ترقی (Sustainable Development) اور ماحول دوست پیداوار پر زور دیا جا رہا ہے۔ طبّی دنیا میں "انٹیگریٹڈ ہسپتالوں" کا قیام اس بات کا عملی ثبوت ہے کہ جب مقصد انسان کی تکلیف کو دور کرنا ہو، تو تمام مکاتبِ فکر ایک چھت تلے جمع ہو جاتے ہیں۔

حاصلِ کلام: ہماری ذمے داری
قدرت نے راستے کھلے رکھے ہیں اور ہر جگہ ربط کا سامان مہیا کر دیا ہے؛ ضرورت صرف "صحیح فکر و فہم" اور "وسعتِ نظر" کی ہے۔ ہمیں اپنے اندر ایسا فکری توازن پیدا کرنا ہو گا جو کسی بھی چیز کو بغیر سمجھے رد نہ کرے اور ہر مثبت و نافع حکمت کو انسان کی فلاح کے لیے قبول کرے۔ جس دن انسان تعصب اور ذاتی مفاد کے خول سے نکل کر "خالص خدمت اور کلی فلاح" کو اپنا مقصد بنا لیا، اسی دن دنیا کا

مصیبت سے منزل تک: نیپالی مسلمان

راقم الحروف: محمد ارشد رضا امجدی فیضی ممبر آف علماء فاؤنڈیشن نیپال

نیپال میں مسلمانوں کو درپیش مشکلات، ظلم و ناانصافی اور آزمائش کی خبریں یقیناً ہر صاحبِ ایمان کے دل کو مضطرب کر دیتی ہیں۔ کسی بے گناہ انسان پر ظلم ہو، اس کے حقوق پامال ہوں یا اسے محض اس کے مذہب کی بنیاد پر تکلیف پہنچائی جائے تو یہ کسی صورت قابلِ قبول نہیں۔ اسلام ظلم کی اجازت نہیں دیتا، خواہ ظلم کسی پر بھی ہو۔

لیکن ایسے حالات ہمیں صرف دوسروں کے ظلم پر انگلی اٹھانے کے بجائے اپنے گریبان میں جھانکنے کی دعوت بھی دیتے ہیں۔ قرآنِ کریم ہمیں متنبہ کرتا ہے:

وَمَآ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ وَیَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ (السورۃ الشوریٰ: 30) یعنی اور تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کچھ تو معاف فرما دیتا ہے۔ وَمَآ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ اس آیتِ کریمہ میں ان مکلف مؤمنین سے خطاب ہے جن سے بشری تقاضے کے تحت گناہ سرزد ہو جاتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ دنیا میں اہلِ ایمان کو پہنچنے والی اکثر تکالیف و مصائب اُن کے اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اُن کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے، اور کبھی یہی آزمائشیں مومن کے درجات کی رفعت اور قربِ الٰہی کا ذریعہ بھی بن جاتی ہیں چنانچہ ہر مصیبت کو گناہ کی سزا قرار دینا درست نہیں۔
(ماخوذ از تفسیر صراط الجنان)

اس آیتِ کریمہ سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ اہلِ ایمان پر وارد ہونے والی بہت سی مصیبتوں کا ایک سبب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہوں کا ارتکاب بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا بندگانِ خدا اگر اطاعت و تقویٰ کو اپنا شعار بنائیں، گناہوں سے دامن بچائیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر کاربند رہیں تو وہ بہت سی آزمائشوں اور مصیبتوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور پُر نور سرکار مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”بندے کو جو چھوٹی یا بڑی مصیبت پہنچتی ہے وہ کسی گناہ کی وجہ سے پہنچتی ہے اور جو گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہوتے ہیں ۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی ”وَ مَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَ یَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ“
(ترمذی شریف)

جب کسی قوم میں نماز کی بے قدری، حلت و حرمت کی تمیز سے بے اعتنائی، باہمی حسد و بغض، حقوق العباد کی پامالی، جھوٹ، خیانت، بددیانتی اور دنیا پرستی عام ہونے لگے تو اسے اپنے انجام سے بے فکر نہیں ہونا چاہیے۔

اور سب سے بڑھ کر اہلِ علم کی ذمہ داری ہے۔ جب علماء اپنے منصب کی عظمت کو سمجھتے ہوئے قوم کی اصلاح، اخلاق کی تربیت اور شریعت کی صحیح رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں تو معاشرے میں خیر کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے۔ لیکن اگر عالم بھی دنیا کی محبت و منصب کے خواہاں ، باہمی نزاع، گروہی تعصب اور ذاتی مفادات کا اسیر ہو جائے تو پھر اصلاح کا وہ چراغ مدھم پڑنے لگتا ہے جس سے پوری قوم کو روشنی ملنی چاہیے۔

اسی لیے یہ کہنا زیادہ درست ہے کہ قوم کی اصلاح صرف عوام کی نہیں، خواص اور اہلِ علم کی بھی ذمہ داری ہے۔ علماء کو منبر و محراب سے امت کو صرف مسائل نہیں، بلکہ تقویٰ، اخلاص، اخلاق، اتحاد، حقوق العباد اور خوفِ خدا کا درس دینا ہوگا اور عوام کو بھی علماء کی نصیحت قبول کرتے ہوئے اپنے کردار کو بدلنا ہوگا۔

ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ کسی قوم کی کمزوری صرف بیرونی دشمنوں سے پیدا نہیں ہوتی کبھی اس کے اندر کا انتشار، اخلاقی زوال اور باہمی بے اعتمادی بھی اسے کمزور کر دیتی ہے۔ لہٰذا نیپال کے مسلمانوں کو موجودہ حالات میں مایوسی کے بجائے توبہ، اصلاح، اتحاد، علم، کردار اور صبر کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم دوسروں کو بدلنے سے پہلے خود کو بدلنے کی فکر کریں۔ اپنے گھروں میں دین زندہ کریں، اپنی مساجد کو آباد کریں، اپنی اولاد کی دینی و اخلاقی تربیت کریں، ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں، باہمی اختلافات کو کم کریں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلق کو مضبوط کریں۔

کیونکہ قوموں کی تقدیر صرف نعروں سے نہیں بدلتی بلکہ کردار بدلنے سے بدلتی ہے، اعمال بدلنے سے بدلتی ہے، اور جب دل اللہ کی طرف پلٹتے ہیں تو حالات کے بدلنے کی امید بھی پیدا ہوتی ہے۔

لہٰذا موجودہ آزمائش کو صرف شکایت کا عنوان نہ بنایا جائے، بلکہ اسے محاسبۂ نفس، تجدیدِ ایمان، اصلاحِ اعمال اور اتحادِ امت کا پیغام سمجھا جائے۔ ظلم کرنے والوں کو ظلم سے روکنا بھی ضروری ہے اور مظلوموں کا ساتھ دینا بھی ضروری ہے لیکن ساتھ ہی اپنے اعمال کی اصلاح کرنا بھی بے حد ضروری ہے۔ یہی وہ راستہ ہے جو ایک منتشر قوم کو دوبارہ عزت و وقار اور استقامت کی منزل کی طرف لے جا سکتا ہے۔

ظلم کا سدِّباب

اسلام نے ظلم کے سدِّباب کو محض ایک اخلاقی نصیحت نہیں بنایا، بلکہ اسے ایمان، تقویٰ اور اجتماعی ذمہ داری کا مسئلہ قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَ الۡاِحۡسَانِ (السورۃ النحل: 90) یعنی بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم فرماتا ہے۔ اور دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے: وَلَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعۡدِلُوۡا اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی (السورۃ المآئدۃ: 8) یعنی اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر نہ اُبھارے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو، وہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے
(تفسیر صراط الجنان)

یہ اسلام کا وہ بے مثال تصورِ عدل ہے جس میں دشمن کے ساتھ بھی انصاف کا حکم ہے۔ گویا مسلمان کا کردار حالات کا محتاج نہیں، بلکہ اصول کا پابند ہے۔

یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ معاشرے میں ظلم اس وقت طاقت پکڑتا ہے جب لوگ اسے دیکھ کر خاموش ہو جائیں۔ نبی کریم ﷺ نے برائی کو اپنی استطاعت کے مطابق روکنے کا حکم دیا:
«مَنۡ رَاٰی مِنۡکُمۡ مُنۡکَرًا فَلۡیُغَیِّرۡہُ بِیَدِہٖ فَاِنۡ لَمۡ یَسۡتَطِعۡ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنۡ لَمۡ یَسۡتَطِعۡ فَبِقَلۡبِہٖ، وَذٰلِکَ اَضۡعَفُ الۡاِیۡمَانِ»
جو تم میں سے برا کام دیکھے تو اسے ہاتھ سے روک دے اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے اگر اس کی بھی نہیں رکھتا تو دل سے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔
مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح

لہٰذا ظلم کے سدِّباب کے لیے ہر طبقے کو اپنی ذمہ داری ادا کرنی ہوگی حکمران عدل قائم کریں علماء حق بات بیان کریں والدین اولاد کی تربیت کریں اور عام مسلمان ظلم کے خلاف اپنے دائرۂ اختیار میں آوازِ حق بلند کریں۔

پس موجودہ حالات ہمیں مایوسی نہیں، بلکہ بیداری، محاسبۂ نفس اور اصلاح کا پیغام دیتے ہیں۔ ہمیں مظلوم کا ساتھ دینا، ظالم کو ظلم سے روکنا، اپنے گناہوں سے توبہ کرنا اور قرآن و سنت کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں نافذ کرنا ہوگا۔ یقیناً قوموں کے حالات صرف شکووں سے نہیں، بلکہ توبہ، تقویٰ، اتحاد، عدل اور اصلاحِ اعمال سے بدلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچی توبہ، باہمی اتحاد اور ظلم کے خاتمے کی جدوجہد کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ہندوستان کا سب سے بڑا قرآنی ایوارڈ

تصویر: معدن اکیڈمی کے چیئرمین سید ابراہیم الخلیل البخاری "میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے۔

پریس ریلیز
نیپال اردو ٹائمز

"کھوج سفر" قومی ورثہ یاترا کا شاندار آغاز

نئی دہلی: ملک کے سب سے بڑے قرآنی مقابلے *"مسابقہ انڈیا ہولی قرآن"* کے سلسلے میں معدن اکیڈمی کے زیرِ اہتمام "کھوج سفر" قومی ورثہ یاترا کا شاندار آغاز ہوگیا۔ یہ یاترا کشمیر سے شروع ہو کر مختلف ریاستوں سے گزرتے ہوئے کیرلا تک پہنچے گی۔ سفت کی پرچم کشائی معدن اکیڈمی کے چیئرمین اور کیرلا مسلم جماعت کے ریاستی جنرل سیکریٹری سید ابراہیم الخلیل البخاری نے انجام دی، جبکہ یاترا کا آغاز کیپٹن سید احمد الکبیر البخاری کی قیادت میں کیا گیا۔

یہ قرآنی مقابلہ ملک بھر سے قرآنی صلاحیتوں کی تلاش، ان کی قومی سطح پر حوصلہ افزائی، اور نوجوان نسل میں قرآنِ کریم کے مطالعہ، حفظ اور حسنِ تلاوت کے فروغ کے مقصد سے منعقد کیا جا رہا ہے۔

مقابلہ دو زمروں پر مشتمل ہوگا: (1) حفظِ قرآن (بنیادی تفسیر کے ساتھ) اور (2) حسنِ تلاوت (تجوید و حسنِ ادائیگی)۔ حفظِ قرآن کے زمرے میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے والے کو 11,11,111 روپے نقد، ٹرافی اور اعزازی سند سے نوازا جائے گا، جبکہ حسنِ تلاوت کے زمرے کے فاتح کو 3 لاکھ روپے نقد انعام دیا جائے گا۔ علاوہ ازیں دونوں زمروں کے نمایاں شرکاء اور ریاستی سطح کے فاتحین کو بھی خصوصی انعامات اور اعزازات سے نوازا جائے گا۔

ہندوستان کی تمام ریاستوں سے 12 سے 30 سال کی عمر کے تسلیم شدہ تعلیمی اداروں کے طلبہ اس مقابلے میں شرکت کے اہل ہوں گے۔ رجسٹریشن 15 اگست 2026 تک جاری رہے گی اور یہ مکمل طور پر مفت ہوگی۔ انتظامی سہولت کے پیشِ نظر صرف تعلیمی اداروں کے ذریعے موصول ہونے والی درخواستیں ہی قبول کی جائیں گی۔

ابتدائی مقابلے مدارس، اضلاع اور ریاستی سطح پر ملک بھر کے 100 سے زائد مراکز میں منعقد ہوں گے، جبکہ قومی سطح کا فائنل فروری 2027 میں کیرلا کے ملاپورم میں منعقد کیا جائے گا۔ فاتحین میں انعامات رمضان المبارک کی 27ویں شب (شبِ قدر) کے موقع پر منعقد ہونے والے بین الاقوامی روحانی اجتماع میں تقسیم کیے جائیں گے۔

"کھوج سفر" کے دوران ملک کی ممتاز جامعات، تعلیمی اداروں، قرآنی کالجوں، مدارس اور مکاتب کا دورہ کیا جائے گا۔

اس موقع پر ماہرینِ تعلیم، علمائے کرام، مختلف اداروں کے سربراہان، سماجی شخصیات اور عوامی نمائندوں سے ملاقاتیں بھی کی جائیں گی۔

افتتاحی تقریب میں دلشاد احمد کشمیر (جنرل سیکریٹری، ایس ایس ایف انڈیا)، ندیم فاروقی (سیکریٹری، ایس ایس ایف انڈیا)، مولانا عارف اشفاقی (پرنسپل، مدرسہ فروغِ اسلام، ہریانہ)، مولانا عمر نعیمی (وزیر آباد) خواجہ ظفر مدنی (سیکریٹریٹ، ایس ایس ایف انڈیا)، رؤف نوری الثقافی (صدر، ایس ایس ایف یوپی ویسٹ)، محمد مظفر حسین (ڈائریکٹر، جامعہ محمدیہ، بہار)، محمود غازی ازہری (ڈائریکٹر، جامعہ نظام الدین اولیاء، دہلی)، ڈاکٹر خالد سیف اللہ دہلوی (اسسٹنٹ پروفیسر، گالگوٹیا یونیورسٹی)، ڈاکٹر زبیر امجدی (اسسٹنٹ پروفیسر، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) اور عبدالجلیل ازہری سمیت متعدد علمی و سماجی شخصیات نے شرکت کی۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز
Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com
آس پاس
13/اگست 2026 مطابق 28/صفر المظفر 1448ھ /28 گتے ساون 2083

آزادی کے چراغ میں مسلم مجاہدین کا لہو، تاریخ کے یہ روشن نام کیوں فراموش؟

از قلم: ڈاکٹر سید تابش امام

15 اگست ہندوستان کی تاریخ کا ایک اہم دن ہے۔ اسی دن 1947 میں ملک طویل برطانوی غلامی سے آزاد ہوا۔ 26 نومبر 1949 کو دستورِ ہند منظور ہوا اور 26 جنوری 1950 کو اس کا نفاذ عمل میں آیا۔ یوں ہندوستان ایک جمہوریہ بنا۔ ہر سال 15 اگست کو یومِ آزادی اور 26 جنوری کو یومِ جمہوریہ منایا جاتا ہے۔ قومی پرچم لہرایا جاتا ہے۔ قومی ترانہ گایا جاتا ہے۔ خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ ایک دوسرے کو مبارک بادی جاتی ہے۔

لیکن کیا ہم نے کبھی سوچا ہے کہ یہ آزادی ہمیں کیسے ملی؟

یہ آزادی کسی نے ہمیں تحفے میں نہیں دی تھی۔ اس کے لیے لاکھوں لوگوں نے قربانیاں دی تھیں۔ کسی نے جیل کی صعوبتیں برداشت کیں۔ کسی نے جلاوطنی قبول کی۔ کسی نے اپنا گھر بار چھوڑا۔ کسی نے اپنی جائیداد گنوائی۔ اور بے شمار لوگوں نے ملک کی آزادی کے لیے اپنی جان تک قربان کردی۔ ان قربانی دینے والوں میں ہندوستانی مسلمان بھی لاکھوں کی تعداد میں شامل تھے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ان میں سے بہت سے نام ہماری اجتماعی یادداشت سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ نئی نسل کے ایک بڑے حصے کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں مسلمانوں کے کتنے علماء، صحافی، ادیب، سیاسی رہنما، انقلابی، خواتین اور عام لوگوں نے اپنا کردار ادا کیا تھا۔ ہندوستان کی آزادی کسی ایک مذہب، طبقے یا علاقے کی جدوجہد کا نتیجہ نہیں تھی۔ یہ پورے ہندوستان کی مشترکہ جدوجہد تھی۔ اس میں ہندو بھی تھے۔ مسلمان بھی تھے۔ سکھ بھی تھے۔ عیسائی بھی تھے۔ کسان، مزدور، طلبہ اور خواتین بھی تھیں۔ مختلف زبانیں بولنے والے اور مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی اس جدوجہد میں شریک تھے۔ ساتھ اردو کے معروف شاعر بھی تھے۔ ان کی زندگی ہندوستان کی غلامی کے ایک تلخ دور کی علامت بن گئی۔

آزادی کی جدوجہد صرف 1857 تک محدود نہیں رہی۔ اس کے بعد بھی برطانوی اقتدار کے خلاف مزاحمت مختلف شکلوں میں جاری رہی۔ دارالعلوم دیوبند سے وابستہ علماء نے بھی آزادی کی تحریک میں اہم کردار ادا کیا۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن ان میں نمایاں نام ہیں۔ انہوں نے برطانوی حکومت کے خلاف منظم جدوجہد کی کوشش کی۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران انہوں نے بیرونی مدد حاصل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ مولانا عبید اللہ سندھی کو افغانستان بھیجا گیا۔ اسی جدوجہد کو بعد میں ریشمی رومال تحریک کے نام سے شہرت ملی۔ برطانوی حکومت کو اس منصوبے کا علم ہوگیا۔ شیخ الہند گرفتار ہوئے اور مالٹا میں قید رکھے گئے۔ مولانا حسین احمد مدنی بھی اس جدوجہد سے وابستہ رہے اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ مولانا عبید اللہ سندھی کو طویل عرصے تک جلاوطنی کی زندگی گزارنی پڑی۔

بعد کے دور میں آزادی کی جدوجہد کا انداز بھی بدلتا گیا۔ عوامی بیداری، عدم تعاون، سیاسی جدوجہد اور قومی اتحاد پر زور دیا گیا۔ 1919 میں جمعیت علماء ہند کا قیام عمل میں آیا۔ مولانا کفایت اللہ دہلوی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا حسین احمد مدنی اور دوسرے علماء نے اس پلیٹ فارم سے برطانوی حکومت کے خلاف جدوجہد کی۔

مولانا حسین احمد مدنی متحدہ ہندوستانی قومیت کے حامی تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مختلف مذاہب کے لوگ ایک وطن کے شہری کی حیثیت سے ایک قوم بن سکتے ہیں۔ ان کی جدوجہد اس بات کی مثال تھی کہ مذہبی وابستگی اور وطن سے وفاداری کو ایک دوسرے کے خلاف سمجھنا ضروری نہیں۔

مسلم مجاہدینِ آزادی کا ذکر مولانا ابوالکلام آزاد کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ وہ عالمِ دین تھے۔ صحافی تھے۔ مفکر تھے۔ سیاسی رہنما تھے۔ ان کا قلم برطانوی حکومت کے خلاف ایک مؤثر ہتھیار تھا۔

انہوں نے 'الہلال' جاری کیا۔ بعد میں 'البلاغ' کے ذریعے بھی قومی بیداری پیدا کی۔ ان اخبارات نے مسلمانوں اور عام ہندوستانیوں میں سیاسی شعور پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ مولانا آزاد نے قومی اتحاد اور آزادی کی جدوجہد کی حمایت کی۔ وہ کانگریس کے صدر بھی رہے اور کئی مرتبہ جیل گئے۔ آزادی کے بعد انہیں آزاد ہندوستان کا پہلا وزیرِ تعلیم بننے کا موقع ملا۔ ملک کے تعلیمی اور ثقافتی اداروں کی تعمیر میں ان کا اہم کردار رہا۔ اسی طرح مولانا محمد علی جوہر کا نام بھی تاریخ میں احترام سے لیا جاتا ہے۔ وہ ایک بے باک صحافی اور سیاسی رہنما تھے۔ 'کامریڈ' اور 'ہمدرد' جیسے اخبارات کے ذریعے انہوں نے برطانوی حکومت کے خلاف رائے عامہ ہموار کی۔ تحریکِ خلافت اور عدم تعاون تحریک میں بھی انہوں نے نمایاں کردار ادا کیا۔ انگریز حکومت نے انہیں گرفتار کیا، لیکن قید بھی ان کے حوصلے کو کم نہ کر سکی۔

ان کے بھائی مولانا شوکت علی بھی تحریکِ خلافت کے اہم رہنماؤں میں تھے۔ دونوں بھائیوں نے ملک کے مختلف حصوں میں گھوم کر لوگوں کو سیاسی طور پر بیدار کیا۔ انہوں نے برطانوی حکومت کے خلاف عوامی تحریک کو مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

ان دونوں کی والدہ بی اماں، یعنی عبادی بانو بیگم، کا کردار بھی قابلِ ذکر ہے۔ وہ صرف اپنے بیٹوں کی وجہ سے معروف نہیں تھیں۔ انہوں نے خود سیاسی اجتماعات میں شرکت کی۔ لوگوں کو بیدار کیا اور خواتین کو بھی قومی جدوجہد میں حصہ لینے کی ترغیب دی۔

مولانا حسرت موہانی بھی آزادی کی تحریک کے بے باک سپاہی تھے۔ وہ شاعر تھے۔ صحافی تھے۔ سیاسی کارکن تھے۔ انہوں نے برطانوی حکومت کے خلاف کھل کر آواز اٹھائی۔ مکمل آزادی کے مطالبے کے ابتدائی حامیوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان کی صحافت اور شاعری دونوں میں آزادی کا جذبہ نمایاں تھا۔

ڈاکٹر سیف الدین کچلو بھی آزادی کی تحریک کے اہم رہنما تھے۔ رولٹ ایکٹ کے خلاف احتجاج میں ان کا اہم کردار تھا۔ ان کی گرفتاری نے پنجاب میں شدید ردعمل پیدا کیا۔ وہ تحریکِ خلافت اور قومی تحریک سے بھی وابستہ رہے۔

ڈاکٹر مختار احمد انصاری ایک ممتاز طبیب ہونے کے ساتھ آزادی کی تحریک کے اہم رہنما بھی تھے۔ وہ تحریکِ خلافت اور قومی تحریک میں سرگرم رہے۔ ہندوستانی قومی کانگریس کے صدر بھی بنے۔ ہندو مسلم اتحاد اور قومی یکجہتی کے مضبوط حامی تھے۔

آزادی کی انقلابی جدوجہد میں اشفاق اللہ خاں کا نام ہمیشہ احترام کے ساتھ لیا جائے گا۔ وہ رام پرساد بسمل کے قریبی ساتھی تھے۔ کاکوری واقعے کے بعد انہیں گرفتار کیا گیا۔ مقدمہ چلا۔ سزائے موت سنائی گئی۔ 19 دسمبر 1927 کو انہیں پھانسی دے دی گئی۔

اشفاق اللہ خاں کی زندگی قربانی اور عزم کی مثال ہے۔ رام پرساد بسمل کے ساتھ ان کی دوستی اس دور کے ہندو مسلم اتحاد کی بھی ایک خوب صورت علامت تھی۔ دونوں مختلف مذہبی پس منظر رکھتے تھے، لیکن آزادی کا مقصد دونوں کے لیے مشترک تھا۔

بہار کی آزادی کی تاریخ بھی مسلم مجاہدین کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ مولانا محمد سجاد ان میں ایک اہم نام ہیں۔ انہوں نے تحریکِ خلافت اور قومی تحریک میں حصہ لیا۔ جمعیت علماء ہند کے ابتدائی رہنماؤں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ بہار میں سیاسی اور قومی بیداری پیدا کرنے میں ان کا نمایاں کردار رہا۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی بھی آزادی کی تحریک کے اہم عالم تھے۔ انہوں نے تحریکِ خلافت میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ قومی اتحاد اور ہندو مسلم یکجہتی کی حمایت کی۔ عوام کو برطانوی اقتدار کے خلاف متحد کرنے کی کوشش کی۔

سرحد کے علاقے میں خان عبدالغفار خان، یعنی باچا خان، نے ایک مختلف راستہ اختیار کیا۔ انہوں نے عدم تشدد کے ذریعے برطانوی حکومت کے خلاف جدوجہد کی۔ ان کی خدائی خدمتگار تحریک نے عوام میں سیاسی شعور پیدا کیا۔ وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ آزادی کی جنگ صرف ہتھیار اٹھا کر نہیں لڑی گئی۔ تعلیم، تنظیم، عوامی بیداری اور عدم تعاون بھی اس جدوجہد کے اہم ذرائع تھے۔

آزادی کی تاریخ میں مسلمانوں کی صحافت کا کردار بھی اہم ہے۔ 'الہلال'، 'البلاغ'، 'ہمدرد' اور 'کامریڈ' جیسے اخبارات نے عوام میں سیاسی شعور پیدا کیا۔ برطانوی حکومت نے ان اخبارات پر پابندیاں لگائیں۔ جرمانے عائد کیے۔ صحافیوں کو گرفتار کیا۔ لیکن آزادی کی آواز کو مکمل طور پر دبایا نہ جا سکا۔

یہی وجہ ہے کہ آزادی کی جدوجہد کو صرف سیاسی رہنماؤں کے ناموں تک محدود نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں صحافی بھی تھے۔ ادیب بھی تھے۔ علماء بھی تھے۔ طلبہ بھی تھے۔ خواتین بھی تھیں۔ اور وہ بے شمار عام لوگ بھی تھے جن کے نام شاید تاریخ کی بڑی کتابوں میں نہ ملیں، لیکن جن کی قربانی آزادی کی بنیاد میں شامل ہے۔

لیکن اہم سوال یہ ہے کہ آج ہم اپنے ان مجاہدین کو کیوں بھولتے جا رہے ہیں؟ اس کا جواب صرف ایک نہیں ہو سکتا۔ وقت گزرنے کے ساتھ بہت سے نام لوگوں کی یادداشت سے دور ہو گئے۔ نئی نسل نے تاریخ کو محدود ناموں اور چند واقعات کے ذریعے پڑھنا شروع کر دیا۔ مقامی مجاہدین کی تاریخ بھی مناسب طور پر محفوظ نہیں کی گئی۔ پرانے اخبارات، خطوط اور دستاویزات بھی تیزی سے ضائع ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ صورتِ حال بدلنی ہو گی۔

مسلم مجاہدینِ آزادی کا ذکر کسی دوسرے طبقے کی قربانی کو کم کرنے کے لیے نہیں ہونا چاہیے۔ اس کا مقصد تاریخ کو مکمل کرنا ہے۔ ہندوستان کی آزادی سب کی مشترکہ جدوجہد کا نتیجہ تھی۔ اس لیے تاریخ میں بھی سب کی قربانیوں کو جگہ ملنی چاہیے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ آزادی کی تاریخ کو صرف 15 اگست اور 26 جنوری کی تقریروں تک محدود نہ رکھا جائے۔ اسکولوں، کالجوں، مدارس اور یونیورسٹیوں میں مجاہدینِ آزادی کے بارے میں پڑھایا جائے۔ مقامی سطح پر تحقیق کی جائے۔ پرانے ریکارڈ محفوظ کیے جائیں۔ ان خاندانوں سے معلومات حاصل کی جائیں جن کے بزرگ آزادی کی تحریک میں شریک رہے۔

خاص طور پر نئی نسل کو ان لوگوں کے بارے میں بتایا جائے جنہوں نے اپنی زندگی آزادی کے لیے وقف کر دی۔

انہیں بتایا جائے کہ اشفاق اللہ خاں کون تھے۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے کیا کردار ادا کیا۔ مولانا محمد علی جوہر اور شوکت علی نے کیا قربانیاں دیں۔ حسرت موہانی نے کس طرح آزادی کی آواز بلند کی۔

شیخ الہند اور دوسرے علماء نے کس طرح برطانوی اقتدار کا مقابلہ کیا۔

بی اماں اور بیگم حضرت محل جیسی خواتین نے کس طرح اپنا کردار ادا کیا۔

اور یہ بھی بتایا جائے کہ ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی اور دوسرے طبقات کے لوگ مل کر آزادی کی اس جدوجہد کو آگے بڑھاتے رہے۔

15 اگست صرف جشن کا دن نہیں ہے۔

یہ اپنے محسنوں کو یاد کرنے کا دن بھی ہے۔ جب قومی پرچم سربلند ہو تو ہمیں ان لوگوں کو بھی یاد کرنا چاہیے جنہوں نے اس پرچم کے لیے اپنی جانیں قربان کیں۔

آزادی مفت میں نہیں ملی تھی۔

اس کی ایک قیمت تھی۔

وہ قیمت خون، قربانی، قید، جلاوطنی اور جدوجہد کی صورت میں ادا کی گئی تھی۔

اس لیے ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے مجاہدینِ آزادی کو فراموش نہ ہونے دیں۔

ان کے نام نئی نسل تک پہنچائیں۔

ان کی زندگی کے بارے میں پڑھیں۔

ان کی قربانیوں سے بچوں کو واقف کرائیں۔

کیونکہ تاریخ صرف ماضی کا قصہ نہیں ہوتی۔

تاریخ آنے والی نسلوں کی تربیت بھی کرتی ہے۔ اگر ہم اپنے محسنوں کو بھول گئے تو اپنی تاریخ کا ایک اہم حصہ بھی کھو دیں گے۔

آیئے اس 15 اگست پر صرف آزادی کا جشن نہ منائیں۔

آزادی سب کی مشترکہ قربانی کا ثمر ہے۔ اس لیے آزادی کی تاریخ بھی سب کی مشترکہ امانت ہے۔

روح پرور محفل چہلم اختتام پزیر

مفتی سراج احمد قادری، مصباحی، ممبئی، انڈیا

مرغیا چک، سیتامڑھی، بہار:
بتاریخ 9 اگست، بروز اتوار، بعد نماز مغرب والد گرامی مرحوم و مغفور جناب محمد عبدالحلیم راعین صاحب کے چہلم کے موقع پر ایک عظیم الشان، باوقار، روح پرور اور رقت انگیز محفل ایصال ثواب کا انعقاد کیا گیا، جس میں علماء و مشائخ، حفاظ و قرّاء، شعرائے اسلام، مدرسین و طلبہ اور قرب و جوار سے تشریف لانے والے کثیر تعداد میں اہل عقیدت و محبت نے شرکت فرمائی۔

محفل کے آغاز سے قبل بعد نماز عصر قرآن خوانی و فاتحہ خوانی کا اہتمام کیا گیا۔ جملہ طلبہ دارالعلوم قادریہ غوثیہ اور اس فقیر نے تلاوت کلام پاک، ذکر و اذکار اور فاتحہ خوانی کے ذریعے والد صاحب کے لیے ایصال ثواب کیا اور بارگاہ رب العزت میں ان کی رحمت و مغفرت، بلندیٔ درجات اور رفع درجات کے لیے دعائیں کیں۔

بعد ازاں نماز مغرب کے بعد محفل کا باقاعدہ آغاز ہوا، جو تقریباً رات گیارہ بجے تک جاری رہی۔ موسم برسات کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے محفل کے اوقات میں موسم نہایت خوش گوار رہا۔ مطلع صاف، فضا پرسکون اور ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے قدرت بھی اس روحانی محفل کے لیے اپنی آغوش رحمت وا کیے ہوئے ہے اور فضا میں ایک خاص قسم کی سکینت و نورانیت جلوہ گر ہے۔

محفل کا آغاز تلاوت کلام الٰہی سے ہوا، جس نے مجلس کو ابتدا ہی سے روحانی کیف و سرور سے معمور کر دیا۔ اس کے بعد دارالعلوم قادریہ غوثیہ، مرغیا چک کے چند طلبۂ کرام نے نہایت خوب صورت، مترنم اور دل نشیں انداز میں بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں نعتیہ اشعار کا نذرانہ پیش کیا۔ معصوم اور پاکیزہ آوازوں میں گونجنے والے نعتیہ کلمات نے محفل کی روحانی کیفیت کو مزید دوچند کر دیا اور حاضرین کے دلوں میں محبت رسول ﷺ کی شمعیں روشن کر دیں۔

محفل کی نقابت و نظامت کے فرائض حافظ و قاری اشرف رضا اسلمی کیول پوری نے نہایت سلیقے، متانت، برجستگی اور شائستگی کے ساتھ انجام دیے۔ موقع و محل کے اعتبار سے موزوں اشعار، برمحل کلمات اور عمدہ ربط و تسلسل نے ان کی نظامت کو مزید مؤثر اور دل آویز بنا دیا۔ اس کے بعد حضرت مفتی امجد رضا امجدی صاحب قبلہ نے نہایت جامع، جاندار اور فکر انگیز خطاب فرمایا۔ حضرت نے موت کی اٹل حقیقت، دنیا کی ناپائیداری اور آخرت کی تیاری کے حوالے سے نہایت مؤثر انداز میں گفتگو فرمائی۔

بعد ازاں حافظ و قاری ولی الرحمن صاحب قبلہ نے اپنے مخصوص، دل نشیں اور پرسوز انداز میں نعتیہ کلام پیش کیا۔ ان کی آواز کے سوز و گداز اور انداز بیان نے محفل میں ایک وجدانی کیفیت پیدا کر دی۔

ان کے پرسوز نعتیہ کلام نے حاضرین کے دلوں کو چھو لیا اور مجلس ایک دیرپا روحانی کیفیت سے معمور ہو گئی۔

اس کے بعد بیرون علاقہ سے تشریف لانے والے معروف شعرائے اسلام حضرت جناب قیصر ویشالوی صاحب، جناب شمیم انجم نیپالی صاحب اور جناب توقیر رضا حلیمی صاحب نے اپنے اپنے خوب صورت، پراثر اور دل آویز کلام پیش کیے۔ بعد ازاں حافظ و قاری مولانا محمد معراج احمد مرکزی صاحب نے نہایت مؤثر اور فکر انگیز خطاب فرمایا۔ انہوں نے موت و حیات کے تعلق کو ایمان کی روشنی میں بیان کرتے ہوئے اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ موت محض اختتام نہیں بلکہ ایک نئی زندگی کی طرف انتقال کا نام ہے۔

محفل کے اختتام سے قبل صلوٰۃ و سلام کی مجلس قائم ہوئی، جس میں حاضرین نے نہایت عقیدت و محبت اور ادب و احترام کے ساتھ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں درود و سلام کا نذرانہ پیش کیا۔ آخر میں پیر طریقت، رہبر راہ شریعت، مفتیٔ اعظم بہار حضرت علامہ مولانا مفتی محمد ثناء اللہ ثناء القادری صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ نے نہایت پرسوز، رقت انگیز اور جامع دعا فرمائی۔

دعا میں مرحوم جناب محمد عبدالحلیم راعین صاحب (والد محترم) کے لیے رحمت و مغفرت، عفو و درگزر، بلندیٔ درجات، قبر و حشر کی آسانی اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام کی التجا کی گئی۔ ساتھ ہی تمام حاضرین، اہل و عیال، پسماندگان، پوری ملت اسلامیہ اور ملک و ملت کی خیر و عافیت، امن و سلامتی اور فلاح و بہبود کے لیے بھی خصوصی دعائیں کی گئیں۔ دعا کے دوران محفل پر ایک عجیب روحانی اور رقت انگیز کیفیت طاری ہو گئی۔ بہت سی آنکھیں اشک بار تھیں، دل نرم پڑ چکے تھے اور زبانیں بارگاہ الٰہی میں التجاؤں میں مصروف تھیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ ہر شخص اپنے مرحوم بھائی کے لیے دعا کرتے ہوئے دراصل اپنی آنے والی منزل کو بھی یاد کر رہا ہے اور اپنے انجام کے بارے میں سوچ رہا ہے۔

اس بابرکت اور روح پرور اجتماع میں متعدد علماء و مشائخ، حفاظ و قرّاء، مدرسین، شعرائے اسلام اور اہل علم نے شرکت فرما کر محفل کے وقار اور رونق میں اضافہ فرمایا، جن میں بالخصوص:

مولانا طیب عالم صاحب، مفتی رضاء الدین امجدی صاحب، مفتی سرفراز عالم صاحب، مولانا جمیل اختر مصباحی صاحب، حافظ و قاری ولی الرحمن صاحب، حافظ و قاری اعجاز احمد نظامی صاحب، مولانا غلام مذکر صاحب قبلہ، مولانا زبیر عالم مصباحی صاحب، مولانا اشرف رضا صاحب، مولانا شہباز صاحب، مولانا افتخار صاحب، حافظ و قاری عابد رضا صاحب، مولانا شاہنواز صاحب، مولانا اعجاز صاحب، مولانا توحید صاحب، پھول رضا حلیمی صاحب اور دیگر معزز علماء و احباب قابل ذکر ہیں۔ خصوصاً دارالعلوم قادریہ غوثیہ، مرغیا چک کے جملہ اساتذہ اور طلبۂ کرام کی شرکت نے محفل کی رونق کو مزید بڑھایا۔

الحمدللہ! والد محترم کے ایصال ثواب کے لیے منعقد ہونے والی یہ محفل محض ایک رسمی محفل نہ تھی، بلکہ قرآن خوانی، فاتحہ، ذکر و اذکار، نعت و منقبت، اصلاحی خطابات، فکر انگیز اشعار، صلوٰۃ و سلام اور پرسوز دعاؤں کا ایک حسین اور بابرکت امتزاج تھی۔
آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

لاٹھیوں کا پہاڑ

ہم کو مذہب میں بانٹتے وہ رہے
اور نفرت کے بیج بوتے گئے
پیار، یکجہتی امن کو چھوڑے
ظلم کے ہر سو شعلے بھڑکائے

لاٹھیوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا
درد سہہ کر کسی نے اف نہ کہا
نعرۂ حق سدا بلند کیا
جس کو دنیا نے غور سے ہے سنا

تخت جمہوریت پہ جاہل ہے
جھوٹے لوگوں میں جج بھی شامل ہے
اونچی مسند پہ بیٹھا ظالم ہے
اور مظلوم ہر سو عالم ہے

چاک دامن پھٹا گریباں ہے
مال و زر لیڈروں کا ایماں ہے
جھوٹ مکاری گھر کا ساماں ہے
ان کی بربادیوں کا امکاں ہے

کاکروچوں کا اب زمانہ ہے
کس قدر اب سماں سہانہ ہے
عید کا مل گیا بہانہ ہے
خوبصورت حسیں فسانہ ہے

نوجواں دیش کے ہوئے بیدار
ظالموں جاہلوں سے ہیں بیزار
حق کی وہ بالیقیں ہے اک تلوار
پوری طاقت سے اب کریں گے وار

تابش ردولوی

"مجاہد آزادی مولانا محمد علی جوہر"

نازشِ گلستاں، فخرِ ہندوستاں
جوہرِ طرحدار، گوہر آبدار
عاشقِ مصطفیٰ، رہروانِ خدا
عالمِ بے مثال، شاعرِ خوش خصال
واقفِ شش جہات، رازدارِ حیات
ماہرِ علمِ دیں، حرّیت کا امیں
گلعذارِ چمن، لالہ زارِ چمن
باادب بانصیب، دینِ حق کا نقیب
اُس کے اوصاف میں، اُس کے انصاف میں
حُسنِ یکسانیت، خوئے انسانیت
پاسدارِ وطن، جاں نثارِ وطن
فاتحِ ظُلم وجور، کوئی اُس سانہ اور
نشہء حرّیت سے وہ سرشار تھا
وہ وطن کا، وطن اُس کا کردار تھا
ظُلم کی جب ہوا تیز ہونے لگی
زندگی ذلّت آمیز ہونے لگی
ایسے حالات میں، ایسے اوقات میں
سرپھری آندھیاں سر اٹھانے لگیں
جلنے بجھنے لگا زندگی کا دیا
سر بہ سر لوگ مر مر کے جینے لگے
ملک اپنی حقیقت کو کھونے لگا
چاہتے تھے جو انگریز ہونے لگا
ظُلم کی انتہا کو بہ کُو ہو گئی
رنگ خوں سے زمیں سرخُرو ہو گئی
ملک کی آن پر، جان و ایمان پر
وقت جب آپڑا، ایک مردِ خدا
دِل میں اپنے وطن کی محبت لئے
سر سے باندھے کفن، جاں فشان وطن
آسمانِ خطابت کا ماہِ تمام
اپنی تقریر سے، حُسنِ تدبیر سے
ہو کے جلوہ کناں، مثلِ آبِ رواں
بڑھ کے گوروں سے یہ کہہ دیا برملا
میری مٹّی یوں ہی اب نہ برباد ہو
موت ہو یا مرا ملک آزاد ہو
ظُلم بڑھتا گیا، خون بہتا گیا
عزم ٹوٹا نہیں، رنگ چھوٹا نہیں
وقت کا شہ سوار، مثلِ دیوانہ وار
راہِ دشتِ جنوں سے گزرتا ہوا
غیر کے دیس میں، جا کے پردیس میں
امن کے دشمنوں کو یہ بتلا دیا
جب تلک ملک آزاد ہو گا نہیں
لوٹ کر میں نہ جاؤں گا یاں سے کہیں
آگ جلتی رہی، لو نکلتی رہی
زندگی موم کی سی پگھلتی رہی
پھر بھی ٹوٹا نہیں جذبہء حرّیت
ملک وملت کی باہم خوشی کے لئے
زندگی کے اندھیروں سے لڑتا ہُوا
ایک دن یہ بھی سورج نہاں ہو گیا
بے اماں کیوں نہ ہو آج بوئے تراب
روز کی طرح نکلا تھا پھر آفتاب
لیکن افسوس یہ وہ سحر ہی نہ تھی
جس سحر کے لئے منتظر تھی حیات
آج وہ دار فانی سے رخصت ہوئی

خراج عقیدت قدیم وجدید سودی کاروبار کے رد میں اہم کتاب کی اشاعت پر

صاحب قرطاس و قلم حضرت مفتی کمال احمد علیمی صاحب نائب صدر شعبہ افتا جامعہ علیمیہ جمدا شاہی

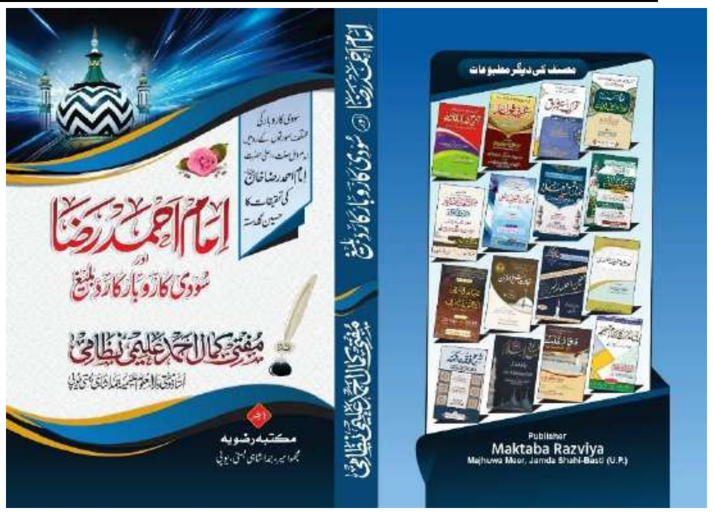

عصرِ حاضر میں سودی نظامِ تجارت جس برق رفتاری کے ساتھ معاشرے میں اپنی جڑیں مضبوط کرتا جا رہا ہے، وہ اہلِ ایمان کے لیے نہایت تشویش ناک اور فکر انگیز صورتِ حال ہے۔ جدید تجارت اور مارکیٹنگ کی دنیا نے اپنی ظاہری چمک دمک، دل فریبی اور رنگینی کے ذریعے انسانی زندگی کو اس طرح اپنی گرفت میں لے لیا ہے کہ انسان بسا اوقات نفع و نقصان کی ظاہری کشمکش میں حلال و حرام کی حدود سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ مادیت پرستی کے بڑھتے ہوئے رجحان نے حصولِ زر کو زندگی کا مقصد بنا دیا ہے، نتیجتاً بہت سے لوگ اس بات کی پروا کیے بغیر کہ آمدنی کا ذریعہ جائز ہے یا ناجائز، صرف زیادہ سے زیادہ مال کمانے کی دوڑ میں شریک ہیں۔

یہ صورتِ حال اس امر کی متقاضی ہے کہ معاشرے میں اسلام کے پاکیزہ اور عادلانہ نظامِ تجارت کو عام کیا جائے، لوگوں کو حلال کمائی کی اہمیت اور رزقِ حلال کی برکتوں سے آگاہ کیا جائے، اور انہیں یہ باور کرایا جائے کہ اسلام نے تجارت و معیشت کے لیے ایسے جامع اور متوازن اصول عطا فرمائے ہیں جن میں فرد کی معاشی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ معاشرے کے عدل و اعتدال اور اخلاقی پاکیزگی کی بھی مکمل رعایت رکھی گئی ہے۔

بالخصوص سود، جو قرآنِ کریم کی صریح نصوص کی روشنی میں حرام اور انسانی معاشرے کے معاشی و اخلاقی توازن کے لیے سخت نقصان دہ ہے، اس کی مختلف صورتوں اور جدید کاروباری معاملات میں اس کے در آنے کے راستوں سے عوام کو آگاہ کرنا وقت کی اہم ترین ضرورتوں میں سے ہے۔ چنانچہ ضرورت ہے کہ سودی معاملات کی قباحت، اس کی شرعی ممانعت اور اس کے دینی و معاشرتی مضرات کو واضح کیا جائے، تاکہ مسلمان اپنے معاملات کو شریعتِ مطہرہ کے مطابق استوار کرنے کی کوشش کریں اور حرام کمائی کے مہلک انجام سے محفوظ رہ سکیں۔

اسی احساسِ ذمہ داری اور اصلاحِ معاشرہ کے جذبے کے تحت محبِ مکرم، حضرت مولانا الحاج محمد شاہد القادری صاحب چیئر مین حجۃ الاسلام دار التحقیق والتصنیف کلکتہ نے جدید نظامِ تجارت کے متعلق اسلامی احکام و ضوابط کو یکجا کرنے کے لیے ایک مفید اور وقیع کتاب مرتب کرنے کا عزم فرمایا۔ حضرت نے ناچیز سے بھی اس موضوع پر ایک مقالہ تحریر کرنے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ موضوع کی اہمیت اور عصرِ حاضر کی شدید ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اس پر باقاعدہ مطالعہ کا آغاز کیا۔ مطالعے کے دوران سب سے پہلے امامِ اہلِ سنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے خوانِ علم سے خوشہ چینی اور بحرِ معرفت سے اکتساب کی سعادت حاصل ہوئی۔ فتاویٰ رضویہ کے صفحات کی ورق گردانی کی تو معاملاتِ تجارت، سود اور جدید مالی مسائل سے متعلق امامِ اہلِ سنت کے متعدد قیمتی ارشادات اور علمی افادات سامنے آئے۔ ان منتشر جواہر کو جمع و ترتیب دینے کی کوشش کی گئی تو بحمد اللہ ایک مستقل اور جامع مقالہ وجود میں آگیا، جسے حضرت مولانا شاہد القادری صاحب کی مرتب کردہ کتاب میں شامل کر کے شائع بھی کیا گیا۔

بعد ازاں دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر اس مقالے کو ایک مستقل رسالے کی صورت میں شائع کر دیا جائے تو اس کی افادیت کا دائرہ مزید وسیع ہو سکتا ہے اور وہ ان حضرات تک بھی پہنچ سکتا ہے جو سودی معاملات کی حقیقت، شرعی حیثیت اور جدید تجارت کے اسلامی اصولوں سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اسی مقصد کے پیشِ نظر مذکورہ مقالے کو ازسرِ نو ترتیب و تہذیب دے کر، قدرے توضیح و تفصیل کے ساتھ ایک مستقل رسالے کی صورت میں اہلِ علم اور عام قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

یہ کاوش اگرچہ اپنی حیثیت میں نہایت معمولی ہے، لیکن نیت اصلاحِ معاشرہ اور مقصد حلال و حرام کی تمیز کا احیا ہے۔ امید ہے کہ قارئینِ کرام اسے محض ایک علمی تحریر کے طور پر نہیں، بلکہ اپنے روزمرہ معاملات اور تجارتی زندگی کی اصلاح کے مشعلِ راہ کے طور پر بھی ملاحظہ فرمائیں گے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت اس حقیر کوشش کو شرفِ قبول بخشے، اسے مسلمانوں کے لیے نفع بخش اور ذریعۂ ہدایت بنائے، انہیں سودی معاملات کی قباحتوں سے محفوظ فرمائے، رزقِ حلال کی طلب و جستجو کا جذبہ عطا کرے، اور شریعتِ مطہرہ کے پاکیزہ اصولوں کے مطابق اپنے معاشی و تجارتی معاملات انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

شاید یہ مختصر سی کاوش کسی ایسے دل تک پہنچ جائے جو سودی نظام کی ظاہری چمک سے مرعوب ہو چکا ہو؛ شاید کسی تاجر کے لیے اس میں راہِ نجات کی کوئی کرن نمودار ہو جائے؛ اور شاید کسی جستجو کرنے والے انسان کے لیے یہ تحریر شبِ تاریک میں چراغِ یقین ثابت ہو۔

وما توفيقي إلا بالله، عليه توكلت وإليه أنيب۔

کمال احمد علیمی نظامی
دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی یوپی

حیاتِ اعلیٰ حضرت کا اجمالی خاکہ

*تاج الخطبا، خلیفۂ حضور برہان ملت، شیخِ طریقت حضرت علامہ مفتی محمد مصلح الدین قادری برہانی دامت برکاتہ کی مایۂ ناز تصنیف جانِ خطابت سے ماخوذ

اسم گرامی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلی قدس سرہ النورانی، والد محترم علامہ نقی علی خان نور اللہ مرقد، 10 شوال المکرم 1272ھ، شہر بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔

4 سال کی عمر میں ناظرہ مکمل کیا، 6 سال کی عمر میں پہلی تقریر کی، 8 سال کی عمر میں نحو کی مشہور کتاب ہدایۃ النحو کی فارسی شرح لکھی، 10 سال کی عمر میں اصولِ فقہ کی معروف کتاب مسلم الثبوت پر حاشیہ لکھا، 14 سال کی عمر میں دستار فضیلت سے سرفراز کیے گئے، 14 سال کی عمر میں دار الافتاء کی اہم ذمہ داری قبول فرمائی، 19 سال کی عمر میں ازدواجی زندگی کا آغاز ہوا، 20 سال کی عمر میں پہلے صاحبزادے حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان علیہ رحمۃ الباری کا تولد ہوا، تقریباً 21 یا 22 کی عمر شریف میں قطبِ مارہرہ سیدی آل رسول احمدی علیہ الرحمۃ سے شرفِ بیعت حاصل ہوا، 22 سال کی عمر میں زیارت حرمین شریفین سے فیضیاب ہوئے، 22 سال کی عمر میں علامہ ضیاء الدین احمد کا عظیم لقب عطا ہوا، 38 سال کی عمر میں دوسرے شہزادے مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خان رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، 43 سال کی عمر میں دوسری بار حج و زیارت سے مشرف ہوئے، 50 سال کی عمر میں دار العلوم منظر اسلام کا سنگ بنیاد رکھا۔

58 سال کی عمر میں قرآنِ پاک کا اردو ترجمہ کنز الایمان منصۂ شہود پر آیا، دنیا بھر سے آئے ہوئے استفتوں کے جواب میں بارہ جلدیں، بعد تخریج 32 جلدوں پر مشتمل فتاویٰ رضویہ آپ کی یادگار ہیں، حمد و نعت و مناقب کا شہکار مجموعہ حدائقِ بخشش منظر عام پر آیا، بے شمار تلامذہ و خلفا ہوئے۔ ان کے علاوہ 55 علوم و فنون کے منبع ہیں، ہزاروں کتب کے مصنف ہیں، علمائے عرب و عجم سے سینکڑوں خطاب یافتہ ہیں، چودھویں صدی ہجری کے مجدد اعظم ہیں، دنیائے اہل سنت کی روحانی و علمی عبقری شخصیت ہیں، امام اہل سنت علم و فن کی فہرست ہیں، اعلیٰ حضرت کے ہر وصف کے لیے القاب صف بستہ کھڑے ہیں، امام عشق و محبت کی تحقیق بسط میں جاتی ہے تو قطرہ کو دریا بنا دیتی ہے، اور قبض میں جاتی ہے تو سمندر کو کوزہ میں کر دیتی ہے۔ آپ کی تصانیف میں آیات قرآنی کا وزن ہے، احادیث محبوب ربانی کا زور ہے، 68 سال کی عمر شریف میں سیدی اعلیٰ حضرت عشق رسول کا جام پی کر رحمت و نور کے جلو میں استراحت فرما ہو گئے۔

ربِ قدیر اپنے محبوبِ اعظم ﷺ کے تصدق آپ کا فیضان ابد الآباد تک جاری رکھے۔ آمین۔

پی کے سرمست ہیں اہلِ سنن
علم و فن کا میکدہ احمد رضا

منجانب
خانقاہ قادریہ رضویہ برہانیہ مصلحیہ
لکھنؤ روڈ، لعل گوپال گنج، الہ آباد، یوپی

ادبِ علمائے حق

توسیم رضا امجدی علیمی

اعلیٰ حضرت، امامِ اہلِ سنت، مجددِ دین و ملت، امام احمد رضا خان حنفی قادری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "عوام پر علمائے دین کا ادب باپ سے زیادہ فرض ہے۔" ف(تاویٰ رضویہ، جلد 25، صفحہ 216) یہ مبارک ارشاد علمائے حق کے عظیم مقام اور امتِ مسلمہ پر ان کے حقوق کو نہایت واضح انداز میں بیان کرتا ہے۔ البتہ اس حکم کا تعلق ہر اس شخص سے نہیں جو اپنے نام کے ساتھ "عالم" لکھ لے یا علم کا دعویٰ کرے، بلکہ اس سے مراد وہ علمائے حق اہلِ سنت و جماعت ہیں جو شریعتِ مطہرہ اور سنتِ نبوی ﷺ کے پابند، عقائدِ اہلِ سنت کے محافظ، دین کے معاملات میں بے لچک، اور حق گوئی میں ثابت قدم ہوں۔

علمائے حق درحقیقت امت کے دینی رہنما ہوتے ہیں۔ وہ قرآن و سنت کی صحیح تعلیم عام کرتے ہیں، عقائد و اعمال کی اصلاح فرماتے ہیں، امت کو گمراہی اور فتنوں سے بچاتے ہیں، اور ہر دور میں حق کا علم بلند رکھتے ہیں۔ انہی کی محنتوں کے نتیجے میں دین کی صحیح تعلیم نسل در نسل منتقل ہوتی ہے اور اہلِ ایمان کو صراطِ مستقیم کی پہچان نصیب ہوتی ہے۔

اسی لیے ان کا ادب محض ایک معاشرتی رسم یا اخلاقی تقاضا نہیں، بلکہ دین کی تعظیم، علمِ نبوی ﷺ کی توقیر اور شریعتِ اسلامیہ سے وابستگی کی علامت ہے۔ جو شخص علمائے حق کی قدر کرتا ہے، وہ درحقیقت دین کی خدمت اور اس کے محافظوں کی عظمت کا اعتراف کرتا ہے، جبکہ ان کی بے ادبی انسان کو دینی نقصان اور محرومی کی طرف لے جا سکتی ہے۔

آج کے پُرفتن دور میں جبکہ ہر شخص دین کی بات کرنے لگا ہے، ایک مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ علمائے حق اہلِ سنت و جماعت کی پہچان کرے، انہی سے دین سیکھے، انہی کی رہنمائی اختیار کرے اور ان کے ادب و احترام کو اپنے ایمان کا حصہ سمجھے۔ یہی وہ راستہ ہے جو عقیدے کی حفاظت، اعمال کی اصلاح اور آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں علمائے حق اہلِ سنت و جماعت کی صحیح پہچان، ان کی محبت، تعظیم اور ادب نصیب فرمائے، اور ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دینِ اسلام کی صحیح خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آبائی مسکن اور دیارِ غیر

ابتدائے آفرینش ہی سے اس جہاں میں انسانی نسل پروان چڑھنے لگی تھی۔ پھر جوں جوں آبادی میں بے پناہ اضافہ ہوتا گیا، وہ خطہ ان کے لیے تنگی کا باعث بنتا چلا گیا۔ چنانچہ، اس خاندانی نظام کے کچھ قبیلوں نے وہاں سے دوسری جگہ ہجرت کا فیصلہ کیا۔ وہ شدید بے سر و سامانی کا عالم تھا؛ نہ ہاتھ میں کچھ اسباب تھا اور نہ ہی راستے ہموار تھے۔ وہ جگہیں صاف ستھری نہ تھیں بلکہ وہاں ہر طرف گندگی کا بسیرا تھا، مگر چونکہ انہیں وہیں ٹھہرنا تھا، اس لیے انہوں نے یہ مشقت برداشت کی، وہاں سے آلائشوں کو ہٹایا، اس زہر آلود فضا کو خوشگواری میں تبدیل کیا اور اسے صاف و شفاف بنا دیا۔ پھر وہ اپنے جائے قیام کے لیے جو کچھ ساتھ لائے تھے، اسے زمین پر بچھا دیا اور اس لق و دق صحرا، تپتی دھوپ اور سخت گرمی میں زندگی بسر کرنے لگے۔ اگر ہم اپنے گرد و پیش کے ماحول کا تجزیہ کریں، تو ہم پر یہ حقیقت واضح ہوتی چلی جائے گی کہ ہمارے آباء و اجداد آج جس جگہ آباد ہیں، یہ ان کی آمد کا نتیجہ اور ان کی محنتوں کا ثمر ہے۔ وگرنہ ان کے اسلاف کہیں اور ہی بود و باش اختیار کرتے اور اسی کو اپنا مسکن بنانا پسند کرتے۔ مگر چونکہ وہ پہلی آبادی ان کے لیے ناگوار ہو گئی، یا وہ جگہ تنگ پڑ گئی، یا پھر وہاں کی آب و ہوا انہیں راس نہ آئی، اس لیے وہ اس جگہ کو خیر آباد کہہ کر فی الحال یہاں مقیم ہو چکے ہیں۔ عہدِ رفتہ میں لوگ بڑی پریشانیوں کا سامنا کرتے تھے اور ہر جانب سے مشکلات انہیں اپنے حصار میں لیے رہتی تھیں، اسی لیے وہ چار و ناچار نئی جگہوں پر منتقل ہونا ہی مناسب تصور کرتے تھے۔

اس دور میں بھی انسانیت کا وجود قائم تھا؛ لوگ باہمی محبت و اخوت سے رہتے تھے اور حسنِ سلوک و خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ وہ مصیبت کے وقت ایک دوسرے کے کام آتے، قوتِ بازو بنتے اور ہر طرف سے تعاون کا یقین دلاتے تھے۔ ان کے اندر یہ تمام اوصاف پائے جاتے تھے، اسی لیے وہ ایک بہتر زندگی گزار رہے تھے۔ مگر جس طرح درخت کے تمام پھل یکساں نہیں ہوتے — کچھ میں حموضت (کھٹاس) ہوتی ہے، کچھ شیریں ہوتے ہیں اور کچھ خراب ہو جاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح خاندان میں پیدا ہونے والا ہر بچہ اپنے بزرگوں کا پرتو ثابت نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی ان کا عکس اس کے اندر جھلکتا تھا۔ چنانچہ جب کسی نے شباب کی دہلیز پر قدم رکھا اور اس کی طبیعت یکسر مختلف پائی گئی، جس کا مزاج خاندان کے کسی فرد سے میل نہیں کھاتا تھا اور کسی سے اس کی بنتی ہی نہیں تھی، تو اس نے دوسری جگہ منتقل ہونے کو ترجیح دی اور وہاں سکونت اختیار کر لی۔

یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ جیسے کوئی نوجوان معاش کی تلاش میں کسی شہر گیا اور وہاں چار پانچ سال رہنے کے بعد اس کی اچھی خاصی پہچان بن گئی۔ جب وہ شہر اسے اچھا لگنے لگا، تو اس نے ارادہ کیا کہ کیوں نہ اسی کو اپنا مستقل مسکن بنا لیا جائے۔ چنانچہ، اس نے پہلے کرائے پر گھر لیا، پھر بتدریج زمین خریدی اور کچھ ہی دنوں میں وہاں ایک نئی عمارت کھڑی کر دی۔ اب جب اس کی نسل آگے بڑھی، تو انہوں نے شعور کی آنکھ اسی شہر میں کھولی؛ لہٰذا وہ یہیں رہنا پسند کرنے لگے اور اپنے آبائی علاقوں میں جانا ان کی طبیعت پر شاق گزرنے لگا۔

اس طرح یہ تسلسل برقرار ہے، جس کے باعث نسلِ نو ترقی کے مدارج طے کر رہی ہے اور اسے آسائش و سہولت کی تمام بہاریں میسر آ چکی ہیں۔ اب وہ جہاں چاہے پورے احساس کے ساتھ رہے، اور جس جگہ کو چاہے خیر آباد کہہ دے؛ یہ فیصلہ اب اس کی اپنی طبیعت پر منحصر ہے کہ وہ جس چیز کو اپنے لیے محبوب اور مرغوب سمجھے، وہی کر ڈالے۔

ارشاد احمد
۲۸ صفر المظفر ۱۴۴۸ھ

امام احمد رضا خان رحمہ اللہ علیہ: عقائدِ اہلِ سنت کے عظیم محافظ

ابو الخالد محمد اظہر الدین علیمی دار العلوم حسینیہ نظامیہ رضا نگر بھٹنڈی نالا جموں

اسلامی تاریخ میں بعض شخصیات ایسی گزری ہیں جنہوں نے اپنے عہد کے علمی، فکری اور اعتقادی چیلنجز کا سامنا صرف اپنی ذات تک محدود رہ کر نہیں کیا، بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی علم و فکر کا ایسا سرمایہ چھوڑا جو صدیوں تک رہنمائی کا ذریعہ بنتا ہے۔ برصغیر کی علمی تاریخ میں امام احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت اسی سلسلے کی ایک نمایاں کڑی ہے۔ آپ فقیہ، محدث، مفسر، متکلم، شاعر اور صاحبِ قلم عالم ہونے کے ساتھ ساتھ عقائدِ اہلِ سنت و جماعت کے ایک مضبوط اور بااثر ترجمان کی حیثیت سے معروف ہوئے۔

عقیدہ، دین کی بنیاد

اسلامی زندگی میں عقیدے کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ عبادات، معاملات اور اخلاق کی عمارت بھی اسی وقت مضبوط ہوتی ہے جب انسان کے بنیادی ایمانی تصورات درست ہوں۔ امام احمد رضا رحمہ اللہ نے اپنے علمی دور میں اس حقیقت کو محسوس کیا کہ محض فقہی مسائل بیان کرنا کافی نہیں، بلکہ ایسے فکری ماحول میں جہاں مختلف نظریات اور افکار تیزی سے پھیل رہے ہوں، عقائدِ اسلامیہ کی صحیح تشریح اور حفاظت بھی وقت کی اہم ضرورت ہے۔

آپ نے قرآنِ کریم، احادیثِ نبویہ، اقوالِ صحابہ و تابعین اور ائمۂ اہلِ سنت کی تصریحات کی روشنی میں بنیادی اسلامی عقائد کو واضح کیا اور ان سے متعلق پیدا ہونے والے شبہات کا علمی جواب دیا۔

شانِ رسالت ﷺ کا دفاع

امام احمد رضا رحمہ اللہ کی علمی خدمات کا سب سے نمایاں پہلو عظمتِ مصطفیٰ ﷺ اور مقامِ رسالت کا دفاع ہے۔ آپ کے نزدیک محبتِ رسول ﷺ محض جذباتی وابستگی کا نام نہیں بلکہ ایمان کا بنیادی تقاضا ہے۔ اسی لیے آپ نے اپنی تحریروں میں قرآن و سنت کی روشنی میں رسولِ اکرم ﷺ کی عظمت، رفعتِ شان، مقامِ محبوبیت اور خصائصِ نبوی کو تفصیل سے بیان کیا۔

آپ نے اس بات پر زور دیا کہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے انتہائی ادب، احتیاط اور شرعی اصولوں کی پابندی ضروری ہے۔ آپ کی نعتیہ شاعری اور نثری تصانیف دونوں میں عشقِ رسول ﷺ اور ادبِ رسالت کی یہی روح نمایاں نظر آتی ہے۔

ختمِ نبوت کا تحفظ

اسلام کے بنیادی عقائد میں عقیدۂ ختمِ نبوت کو مرکزی مقام حاصل ہے۔ امام احمد رضا رحمہ اللہ نے اس عقیدے کو قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح کیا اور اس کے خلاف پیدا کیے جانے والے شبہات کا علمی انداز میں جواب دیا۔ آپ نے واضح کیا کہ حضور اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں اور آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے۔

یہ خدمت صرف ایک علمی بحث نہیں تھی بلکہ اس عہد کے ایک اہم اعتقادی چیلنج کا جواب بھی تھی۔ امام احمد رضا نے اپنی تحریروں کے ذریعے مسلمانوں کو عقیدۂ ختمِ نبوت کی اہمیت سے آگاہ کیا اور اس کے تحفظ کے لیے مضبوط علمی دلائل پیش کیے۔

فتاویٰ رضویہ، عقائد کا عظیم علمی سرمایہ

امام احمد رضا رحمہ اللہ کی شہرۂ آفاق تصنیف فتاویٰ رضویہ بظاہر فقہی فتاویٰ کا مجموعہ ہے، لیکن اس کے اندر عقائد، تفسیر، حدیث، اصولِ فقہ، سیرت، تصوف اور دیگر اسلامی علوم کے بے شمار مباحث بھی موجود ہیں۔

عقائد سے متعلق مسائل میں آپ نے صرف اپنا موقف بیان نہیں کیا بلکہ قرآن و حدیث اور معتبر ائمۂ اسلام کی تصریحات سے استدلال کیا۔ یہی علمی طرزِ استدلال فتاویٰ رضویہ کو ایک وسیع علمی انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت عطا کرتا ہے۔

باطل افکار کا علمی رد

امام احمد رضا رحمہ اللہ کا ایک اہم امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے اپنے دور کے مختلف فکری و اعتقادی مسائل پر خاموشی اختیار نہیں کی۔ جن نظریات اور عبارات کو آپ نے قرآن و سنت اور مسلماتِ اہلِ سنت کے خلاف سمجھا، ان کا علمی جائزہ لیا اور دلائل کے ساتھ جواب دیا۔

آپ کی تصنیف حسام الحرمین اسی سلسلے کی ایک معروف کتاب ہے، جس میں برصغیر میں پیدا ہونے والے بعض متنازع اعتقادی مسائل کے بارے میں حرمین شریفین کے متعدد علماء کی آراء بھی جمع کی گئیں۔ اس کتاب نے اس زمانے کی علمی و اعتقادی بحث میں نمایاں کردار ادا کیا۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ امام احمد رضا کی تحریروں کو ان کے اپنے علمی اور تاریخی پس منظر میں سمجھنا چاہیے۔ ان کے یہاں عقائد کی حفاظت ایک سنجیدہ علمی ذمہ داری تھی، جس کے لیے انہوں نے فقہ، حدیث، تفسیر اور علمِ کلام کے اصولوں سے استفادہ کیا۔

کنز الایمان اور عقیدۂ رسالت

امام احمد رضا رحمہ اللہ کا قرآنِ کریم کا اردو ترجمہ کنز الایمان بھی عقائد کے حوالے سے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ترجمے میں الفاظ کے انتخاب کے ذریعے قرآنِ کریم کے مفاہیم کو انتہائی ادب و احترام کے ساتھ اردو زبان میں منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، بالخصوص جہاں انبیائے کرام علیہم السلام اور رسولِ اکرم ﷺ کی شان کا ذکر ہے۔

اسی وجہ سے کنز الایمان کو برصغیر کے اہلِ سنت کے علمی و دینی حلقوں میں ایک ممتاز مقام حاصل ہوا۔

علم کے ساتھ عشق کا حسین امتزاج

امام احمد رضا رحمہ اللہ کی شخصیت کا ایک منفرد پہلو یہ ہے کہ ان کے یہاں علم اور عشقِ رسول ﷺ ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ ان کی علمی تحریروں میں استدلال کی قوت ہے تو ان کی شاعری میں محبت و عقیدت کی کیفیت۔ ان کا مشہور نعتیہ مجموعہ حدائقِ بخشش اردو نعتیہ ادب میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔

ان کی زندگی ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ عقیدہ صرف کتابوں کا موضوع نہیں بلکہ ایمان، محبت، ادب اور عملی زندگی سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔

ایک علمی ورثہ

آج جب دنیا فکری انتشار، مذہبی تشکیک اور مختلف نظریاتی چیلنجز سے دوچار ہے، امام احمد رضا رحمہ اللہ کی علمی خدمات کا مطالعہ نئی نسل کے لیے اہمیت رکھتا ہے۔ ان کی تصانیف ہمیں یہ سبق دیتی ہیں کہ اپنے عقائد سے وابستگی کے ساتھ علم، تحقیق، دلیل اور مطالعے کو بھی اختیار کرنا چاہیے۔

امام احمد رضا خان رحمہ اللہ نے اپنی پوری علمی زندگی عقائدِ اسلامیہ کی توضیح، مسلکِ اہلِ سنت کی ترجمانی اور حرمت و عظمتِ رسالت ﷺ کے دفاع میں صرف کی۔ ان کا علمی سرمایہ آج بھی مدارس، جامعات، کتب خانوں اور اہلِ علم کے درمیان زیرِ مطالعہ ہے۔

امام احمد رضا خان رحمہ اللہ کی خدمات کو صرف ایک شخصیت یا ایک دور تک محدود کرنا ان کے علمی کام کی وسعت کو کم کر کے دیکھنا ہوگا۔ وہ ایک ایسے عالم تھے جنہوں نے اپنے عہد کے اعتقادی سوالات کا جواب اپنے زمانے کے علمی اسلوب میں دیا اور ایک وسیع علمی ذخیرہ آنے والی نسلوں کے لیے چھوڑا۔

ان کی زندگی کا مرکزی پیغام یہی محسوس ہوتا ہے کہ صحیح عقیدہ علم سے مضبوط ہوتا ہے، محبتِ رسول ﷺ ادب سے سنورتی ہے اور دین کی حفاظت دلیل، تحقیق اور اخلاص کے ساتھ کی جاتی ہے۔

اسی اعتبار سے امام احمد رضا خان رحمہ اللہ کی عقائد کے میدان میں خدمات برصغیر کی اسلامی علمی تاریخ کا ایک اہم اور قابلِ مطالعہ باب ہیں۔

Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com

ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز

حضرت محمد میاں مالیگ کی تحقیقی خدمات اور خانوادے کا ذکر

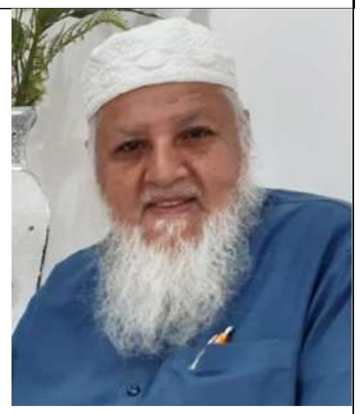

تحریر: خیال اثر (مالیگاؤں)

تاریخ میں بعض ایسے خاندان بھی پیدا ہوتے ہیں جن کی شناخت صرف دولت، شہرت یا افراد کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ ان کی اصل پہچان کردار، وفاداری، تہذیبی شعور اور اپنی مٹی سے غیر متزلزل وابستگی ہوتی ہے۔ ایسے خاندان اپنی ذات سے بڑھ کر اپنی نسبتوں کو زندہ رکھتے ہیں اور آنے والی نسلوں کو یہ سبق دیتے ہیں کہ وطن سے محبت محض ایک جذبہ نہیں بلکہ زندگی بھر نبھایا جانے والا مقدس عہد ہے۔ مالیگاؤں کی علمی، دینی، ادبی اور سماجی تاریخ کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کیا جائے تو چند خانوادے ایسے ضرور سامنے آتے ہیں جنہوں نے خاموش مگر فیصلہ کن انداز میں اس شہر کی شناخت کو مضبوط کیا۔ انہی ممتاز خانوادوں میں ایک باوقار، دیندار اور باکردار نام مالیگ خانوادہ کا ہے، جس نے گزشتہ سات دہائیوں سے اپنے نام کے ساتھ "مالیگ" جوڑ کر نہ صرف اپنی خاندانی شناخت کو برقرار رکھا بلکہ مالیگاؤں کے نام کو بھی مختلف ملکوں تک پہنچایا۔ یہ محض اتفاق نہیں بلکہ ایک شعوری اور تہذیبی فیصلہ تھا۔ جب بہت سے لوگ اپنے ناموں سے مقامی نسبتیں ختم کرتے گئے، اس خانوادے نے اپنے نام کے ساتھ مالیگاؤں کی شناخت کو ہمیشہ کے لیے وابستہ کرلیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج "مالیگ" محض ایک لفظ نہیں بلکہ اپنے وطن سے محبت، تہذیبی وابستگی اور تاریخی شعور کی علامت بن چکا ہے۔ اس ضمن میں مالیگ خانوادے کے بزرگ حضرت نیاز احمد مالیگ بتاتے ہیں کہ جس طرح اعظم گڑھ کے باشندے "اعظمی" اور علی گڑھ کے باشندے "علیگ" نسبت استعمال کرتے ہیں، اسی طرح انہوں نے اپنے شہر مالیگاؤں سے محبت کے اظہار کے لیے "مالیگ" کو اپنی مستقل شناخت بنایا۔ ان کے مطابق یہ کسی ادبی لقب یا قلمی نام کا انتخاب نہیں تھا بلکہ بچپن ہی سے ان کی شخصیت کا حصہ بن چکا تھا۔ وہ یاد کرتے ہیں کہ اسکول کے ابتدائی زمانے میں بھی ان کی انگلی بے اختیار فضا میں "مالیگ" لکھا کرتی تھی۔ ایک معصوم بچے کے دل میں اپنے شہر کی ایسی محبت اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ نسبت وقتی نہیں بلکہ نسلوں تک منتقل ہونے والی ایک روایت تھی۔

حضرت نیاز احمد مالیگ کے مطابق سن 1950ء میں ان کے برادر حضرت محمد میاں مالیگ موجودہ اے ٹی ٹی ہائی اسکول، جو اس زمانے میں اینگلو اردو ہائی اسکول کے نام سے معروف تھا، میں زیر تعلیم تھے جبکہ وہ خود میونسپل اسکول نمبر 5 میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ دونوں بھائی اسی زمانے سے اپنے نام کے ساتھ "مالیگ" استعمال کرتے تھے۔ بعد ازاں 1952ء اور 1953ء کے درمیان حالات کے باعث خاندان گجرات منتقل ہوگیا۔ حضرت نیاز احمد مالیگ نے دارالعلوم شاہ عالم، احمد آباد میں تعلیم حاصل کی جبکہ حضرت محمد میاں مالیگ نے حفظِ قرآن کی تکمیل کے بعد وہاں علمی سفر جاری رکھا، مگر شہر، ماحول اور حالات بدلنے کے باوجود "مالیگ" کی نسبت کبھی تبدیل نہ ہوئی۔

بعد میں یہی خاندان برطانیہ منتقل ہوگیا، لیکن وطن سے ہزاروں میل دور رہتے ہوئے بھی اپنے نام کے ساتھ "مالیگ" کو اسی فخر سے برقرار رکھا۔ حضرت نیاز احمد مالیگ کہتے ہیں کہ "ستر برس سے زیادہ عرصہ گزر گیا، مالیگ خانوادہ مالیگاؤں سے گجرات اور گجرات سے برطانیہ پہنچ گیا، مگر اپنے وطن، اپنے شہر اور اپنی مٹی سے ہماری نسبت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔" یہ ایک جملہ نہیں بلکہ اس خاندان کی پوری تاریخ کا نچوڑ ہے۔

مالیگ خانوادے کی عظمت صرف اپنی شناخت برقرار رکھنے تک محدود نہیں بلکہ اس کی پوری زندگی دیانت، تقویٰ، خدمتِ خلق، علمی ذوق اور سماجی وقار سے عبارت رہی ہے۔ اس خاندان نے ہمیشہ کردار کو شہرت پر، دیانت کو دولت پر اور خدمت کو ذاتی مفاد پر ترجیح دی۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف طبقات میں یہ خانوادہ عزت، اعتماد اور احترام کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس خاندان کی ایک نمایاں خصوصیت خاموش خدمتِ خلق بھی رہی ہے۔ غریبوں کی مدد، بے سہارا خاندانوں کی دستگیری، یتیموں کی کفالت، ضرورت مندوں کی اعانت اور انسانیت کی بے لوث خدمت ان کی گھریلو روایت کا حصہ رہی، مگر کبھی ان خدمات کو شہرت یا نمائش کا ذریعہ نہیں بنایا۔ انہوں نے ہمیشہ خاموشی سے معاشرے کے کمزور طبقات کا سہارا بننے ان کی حقیقی شناخت بن گیا۔ مالیگ خانوادے کی علمی اور تحقیقی خدمات بھی غیر معمولی اہمیت رکھتی ہیں۔ اس روایت کا نمایاں نام حضرت محمد میاں مالیگ ہیں، جنہوں نے اردو صحافت، دینی تحقیق اور دفاعِ حق کے میدان میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔ معروف صحافی، محقق اور ماہنامہ "پاسبان" ممبئی کے مدیر جناب مشتاق احمد نظامی ان کی تحریری صلاحیتوں سے اس قدر متاثر تھے کہ اکثر فرمایا کرتے تھے: "محمد بھائی بہت بڑے آرٹیکل نویس ہیں۔" ایک صاحبِ نظر مدیر کی یہ رائے حضرت محمد میاں مالیگ کی غیر معمولی علمی استعداد کا واضح اعتراف ہے۔ سن 1974ء میں بھیونڈی میں ہونے والے معروف سنی و وہابی مناظرے کے بعد جب ایک سو صفحات پر مشتمل کتاب منظر عام پر آئی تو اہلِ سنت کے علمی حلقوں نے اس کا مدلل جواب دینے کی ضرورت محسوس کی۔ یہ اہم ذمہ داری حضرت محمد میاں مالیگ نے قبول کی۔ اس وقت وہ برطانیہ میں مقیم تھے، مگر وطن، عقیدے اور علمی ذمہ داری سے غافل نہ ہوئے انہوں نے مضبوط دلائل اور تحقیقی انداز میں اس کتاب کا مفصل جواب تحریر کیا، جو بعد میں ماہنامہ "المیزان" بھیونڈی و ممبئی میں مسلسل چار اقساط میں شائع ہوا۔ یہ تصنیف ان کی علمی بصیرت، تحقیقی گہرائی اور دفاعِ اہلِ سنت کے جذبے کی اہم تاریخی شہادت ہے۔ مالیگ خانوادے کی علمی روایت صرف حضرت محمد میاں مالیگ تک محدود نہیں۔ عظیم شاعر حضرت مولانا محمد یونس مالیگ علیہ الرحمہ نے اردو ادب اور دینی شاعری میں گراں قدر خدمات انجام دیں، جبکہ شہرۂ آفاق شاعر مقصود مالیگ نے اپنے کلام کے ذریعے نہ صرف اردو ادب کو مالا مال کیا بلکہ "مالیگ" کی نسبت کو عالمی سطح پر متعارف کرایا۔ اسی طرح حضرت نیاز احمد مالیگ کی تاریخی یادداشتیں اور محفوظ روایات اس حقیقت کی گواہ ہیں کہ یہ خاندان صرف تاریخ کا حصہ نہیں بلکہ تاریخ کا معتبر امین بھی ہے۔ اس خانوادے کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ رہی کہ اس نے علم اور عمل کو ہمیشہ ساتھ رکھا۔ قلم کے ساتھ کردار، عبادت کے ساتھ خدمت، خوشحالی کے ساتھ سخاوت اور شہرت کے ساتھ انکساری کو اپنی زندگی کا حصہ بنایا۔ یہی اوصاف اسے محض ایک معروف خاندان نہیں بلکہ مالیگاؤں کی تہذیبی، اخلاقی اور سماجی تاریخ کا معتبر حوالہ بناتے ہیں۔ آج دنیا گلوبلائزیشن کے دور سے گزر رہی ہے۔ لاکھوں افراد اپنے آبائی شہروں سے ہجرت کر کے مختلف ممالک میں آباد ہو چکے ہیں، لیکن بہت کم خاندان ایسے ہیں جنہوں نے ستر برس سے زائد عرصے تک اپنے شہر کی نسبت کو اسی محبت، استقامت اور وقار کے ساتھ زندہ رکھا ہو۔ مالیگ خانوادہ اس لحاظ سے ایک منفرد مثال ہے۔ ان کے لیے "مالیگ" نہ قلمی نام ہے، نہ ادبی لقب، بلکہ اپنے وطن، اپنی تہذیب، اپنی شناخت اور اپنی مٹی سے غیر مشروط محبت کا زندہ اعلان ہے۔ حضرت مولانا محمد یونس مالیگ علیہ الرحمہ کی علمی عظمت، حضرت محمد میاں مالیگ کی تحقیقی خدمات، حضرت نیاز احمد مالیگ کی تاریخی روایت اور مقصود مالیگ کی ادبی شناخت اس حقیقت کی روشن دلیل ہیں کہ یہ خاندان افراد کا مجموعہ نہیں بلکہ علم، ادب، کردار، خدمت اور تہذیبی شعور کی ایک مسلسل روایت ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مالیگ خانوادے کی تمام علمی، ادبی، صحافتی اور سماجی خدمات کو یکجا کر کے ایک مستند دستاویزی کتاب مرتب کی جائے، جس میں حضرت محمد میاں مالیگ کے مضامین، ماہنامہ "المیزان" میں شائع ہونے والی تاریخی تحریریں، نادر خطوط، تصاویر اور دیگر تاریخی دستاویزات محفوظ کی جائیں تاکہ آنے والی نسلیں جان سکیں کہ اس خاندان نے کس خاموشی، اخلاص اور استقامت کے ساتھ مالیگاؤں کی شناخت کو دنیا بھر میں زندہ رکھا۔

تاریخ ہمیشہ انہی لوگوں کو یاد رکھتی ہے جو اپنی ذات سے بڑھ کر اپنے معاشرے، اپنی تہذیب اور اپنے وطن کے لیے جیتے ہیں۔ مالیگ خانوادہ بلاشبہ انہی باوقار اور تاریخ ساز خانوادوں میں شامل ہے جنہوں نے دولت سے زیادہ کردار، شہرت سے زیادہ خدمت، مفاد سے زیادہ اخلاص اور ذاتی شناخت سے بڑھ کر اپنے شہر کی شناخت کو اہمیت دی۔ یہی وجہ ہے کہ آج "مالیگ" صرف ایک خاندانی نسبت نہیں بلکہ مالیگاؤں سے محبت، وفاداری، دیانت، خدمتِ خلق اور تہذیبی عظمت کی ایک زندہ علامت بن چکا ہے۔ یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہ ہوگا کہ اگر مالیگاؤں کی تاریخ لکھی جائے اور اس میں مالیگ خانوادے کا ذکر نہ ہو تو وہ تاریخ یقیناً نامکمل ہوگی، کیونکہ بعض خاندان صرف اپنے عہد کی نہیں بلکہ آنے والی نسلوں کی بھی میراث ہوتے ہیں، اور مالیگ خانوادہ انہی نادر اور قابلِ احترام خانوادوں میں شمار ہوتا ہے۔

عصر حاضر میں سنیت کی پہچان امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ

محمد حسن علیمی، استاذ مدرسہ قمر العلوم لہرولی، نول پراسی نیپال

اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ایسے علمائے کرام کو پیدا کیا ہے جنہوں نے دینِ اسلام کی صحیح تعلیمات کو محفوظ رکھا، باطل نظریات کا علمی جواب دیا اور امت کو قرآن و سنت کی روشنی میں رہنمائی فراہم کی۔ برصغیر کی تاریخ میں ان عظیم شخصیات میں ایک نمایاں نام امامِ اہلِ سنت، مجددِ دین و ملت، آیۃ من آیات اللہ کنز الکرامت، فقیہِ اعظم، عاشقِ رسول، امام عشق و محبت سیدی سرکار اعلیحضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ آپ نے ایسے دور میں اسلام کی خدمت انجام دی جب مختلف فکری فتنے جنم لے رہے تھے اور عوام کے عقائد میں انتشار پیدا ہو رہا تھا۔ آپ نے قرآن، احادیث، تحقیق، فقہ، تصنیف، عشقِ رسول ﷺ اور دفاعِ عقیدہ کے ذریعے اہلِ سنت کی شناخت کو مضبوط کیا۔ اسی لیے موجودہ دور میں بھی سنیت کی پہچان امام احمد رضا خان کی علمی اور فکری خدمات سے وابستہ نظر آتی ہے۔

امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت 14 جون 1856ء 10 شوال 1272ھ کو بریلی (ہندوستان) میں ہوئی۔ آپ کے والد حضرت مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے جلیل القدر عالم تھے۔ امام احمد رضا خان نے کم عمری ہی میں قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر، منطق، فلسفہ، ریاضی، علم ہیئت اور دیگر علوم میں مہارت حاصل کرلی۔ صرف تیرہ برس کی عمر میں آپ نے فتویٰ نویسی کا آغاز کیا اور پوری زندگی لاکھوں مسلمانوں کے شرعی مسائل میں رہنمائی فرمائی۔

امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی محبتِ رسول اکرم ﷺ سے استقامت سنیت کی نمایاں علامتوں میں شمار ہوتی ہے۔ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کی عظیم علمی، فقہی اور دینی شخصیات میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی دینِ اسلام کی خدمت، قرآن و سنت کی تعلیم، فقہی رہنمائی اور محبتِ رسول ﷺ کے فروغ میں صرف کی۔ ان کی تصانیف، فتاویٰ اور علمی خدمات آج بھی اہلِ علم کے لیے قابلِ استفادہ ہیں۔ موجودہ دور میں بھی ان کی زندگی ہمیں علم، تحقیق، اخلاص، حسنِ اخلاق اور دین کی خدمت کا درس دیتی ہے۔

آج کا دور فکری انتشار، سوشل میڈیا کی یلغار اور مذہبی غلط فہمیوں کا دور ہے۔ ایسے حالات میں امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات امت کے لیے رہنمائی کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ آپ نے تحقیق، دلیل، اخلاق، اعتدال اور شریعت کی پابندی پر زور دیا۔ موجودہ دور میں آپ کی علمی میراث کا مطالعہ نوجوان نسل کو دین کے بنیادی اصولوں سے جوڑنے اور علمی انداز میں مسائل کو سمجھنے میں مدد دے سکتا ہے۔

سنیت کی پہچان صرف کسی شخصیت سے وابستگی نہیں بلکہ قرآن، سنت، اجماعِ امت اور ائمۂ اہلِ سنت کی تعلیمات پر عمل ہے۔ برصغیر کے تناظر میں امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے ان تعلیمات کی تشریح، ترویج اور دفاع میں نمایاں کردار ادا کیا، اسی وجہ سے بہت سے اہلِ سنت آپ کی خدمات کو اپنی فکری شناخت کا اہم حصہ سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک امام احمد رضا خان کی فکر، عشقِ رسول ﷺ، فقہی بصیرت اور علمی

آپ کی نعتیہ شاعری عشق مصطفیٰ ﷺ کا ایسا درس دیتی ہے کہ جس کو پڑھ کر قلب و روح کو سکون ملتا ہے۔ آپ نے نبی کریم ﷺ کی شان میں اپنی شاعری سے جو عشق رسول کا جام پلایا ہے وہ پوری دنیا کے سامنے عشق و محبت کا انمول تحفہ نظر آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دینِ اسلام کو صحیح طور پر سمجھنے، اس پر عمل کرنے اور امتِ مسلمہ میں محبت، اتحاد اور خیر خواہی کو فروغ دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

موجودہ علما میں عفو و درگزر کا فقدان

ازقلم: محمد کلام الدین نعمانی مصباحی امجدی نائب ایڈیٹر: نیپال اردو ٹائمز بنوٹا، مہوتری، نیپال

"اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ"

(علما انبیا علیہم السلام کے وارث ہیں)۔ سید الانبیاء و المرسلین، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے وصالِ ظاہری کے بعد یہ عظیم فریضہ علمائے کرام کے سپرد ہوا کہ وہ قرآن و سنت کی روشنی میں اسلامی تعلیمات کو عام کریں، ان پر خود بھی عامل ہوں، سیرتِ طیبہ کے سانچے میں ڈھل کر اخلاق و کردار کا انمول نمونہ بنیں اور زندگی کے ہر شعبے میں امتِ مسلمہ کی صحیح رہنمائی کریں۔ یہ اہم اور نازک فریضہ ہمارے اسلاف، ائمہ معصومین اور مشائخِ عظام نے احسن طریقے سے نبھایا اور ہم تک دینِ اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کو منتقل کیا۔ لیکن انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج ہمارے دور کے متعدد افراد وارثینِ انبیاء ہونے کا حق عملی طور پر کھوتے جا رہے ہیں۔

سیرتِ نبوی ﷺ اور اخلاقِ عالیہ

ہمارے نبی کریم ﷺ اخلاق و کردار کے مجسم پیکر اور مجسمہ قرآن تھے۔ جیسا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: "فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْقُرْآنَ" (ترجمہ: اللہ کے نبی ﷺ کا اخلاق عین قرآن تھا)۔ (صحیح مسلم: 746) آپ ﷺ نے امت کو فرائض و واجبات کے ساتھ ساتھ اخلاقیات اور آداب کا بہترین درس دیا۔ عفو و درگزر، صلہ رحمی، الفت و محبت، اخوت، تعظیمِ اکابر، شفقت بر اصاغر، غریب پروری، اور حسنِ گفتار و رفتار کو دین کا بنیادی حصہ بتایا۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے عفو و درگزر کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: "خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ" (ترجمہ: اے محبوب! درگزر کرنا اختیار کرو، بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو)۔ (سورۃ الاعراف: 199)

عفو و درگزر: فتنے اور فساد کا سدّباب

معاشرتی زندگی میں تمام اخلاقی اقدار کی اپنی جگہ اہمیت ہے، لیکن جب معاشرے میں اصلاح، فتنہ و فساد کا خاتمہ اور سدِّ ذرائع مقصود ہو تو وہاں سب سے زیادہ اہم ہتھیار عفو و درگزر ہے۔ اس کے ذریعے بڑے سے بڑا فتنہ پنپنے سے پہلے ہی دم توڑ دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فتحِ مکہ کے موقع پر اپنے جانی دشمنوں کو "اِذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ" (جاؤ تم سب آزاد ہو) فرما کر عفو و درگزر کی وہ بے نظیر مثال قائم کی جس نے قلوب کو تسخیر کر لیا۔ نیز آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: "وَمَا زَادَ اللهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا" (ترجمہ: اللہ تعالیٰ عفو و درگزر کرنے کی وجہ سے بندے کی عزت میں ہی اضافہ فرماتا ہے)۔ (صحیح مسلم: 2588)

موجودہ دور کا المیہ اور ہماری ذمہ داری

جب ہم موجودہ دور کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو انتہائی افسوس ہوتا ہے۔ جو علمائے کرام معاشرے کے لیے مشعلِ راہ تھے، آج ان میں سے کچھ افراد نا اتفاقی، انا پرستی اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر عفو و درگزر کا دامن چھوڑ کر انا کی جنگ لڑنا اور معاشرے میں انتشار کا باعث بننا انتہائی تشویش ناک ہے۔ نبی کریم ﷺ نے علم کا مقصد اور علما کی شان تواضع و انکساری بتائی تھی، لیکن جب علم کے ساتھ عمل اور حسنِ اخلاق رخصت ہو جائے تو وہی علم و وقار پامال ہونے لگتا ہے۔ ہمیں علمائے سوء کی بد اعمالیوں سے قطعِ نظر، ان باعمل اور بااخلاق علمائے ربانی کی اقتدا اور صحبت اختیار کرنی چاہیے جو علمی جلال کے ساتھ اخلاقی جمال کے بھی مالک ہیں اور جن کی سیرت سے عفو و درگزر، نرم خوئی اور الفت کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔

اے اللہ ہمارے علما اور پوری امتِ مسلمہ کو اخلاقِ حسنہ سے آراستہ فرما۔ ہمارے قلوب میں ایک دوسرے کے لیے عفو و درگزر، الفت اور محبت پیدا فرما۔ ہمارے علمائے کرام کو اسلاف کا حقیقی جانشین بنا کر امت کی صحیح رہنمائی اور فتنوں سے حفاظت فرمانے کی توفیقِ مرحمت فرما۔ آمین بجاہِ نبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

مجدد الف ثانیؒ علیہ الرحمہ کا عرس مبارک اور آج کا عالمِ دین

قسط اول

کیا صرف عرس و فاتحہ کافی ہے؟ علمائے ربانیین کی راہ اور افراط و تفریط سے نجات

محمد مجیب قادری حنفی العربی)

حامداً و مصلیاً!

قارئینِ کرام! 28 صفر المظفر، بروز بدھ، 12 اگست 2026ء کو مجدد الف ثانی، امام ربانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عرسِ مبارک عقیدت و محبت کے ساتھ منایا گیا۔ اپنی اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق لوگوں نے ایصالِ ثواب، فاتحہ خوانی اور دیگر معمولات کے ذریعے اس عظیم بزرگ سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔

لیکن یہاں ایک سوال ایسا ہے جس پر عوام و خواص، بالخصوص اہلِ علم اور مقررین کو ضرور غور کرنا چاہیے: کیا مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عرسِ مبارک منانا، فاتحہ خوانی کرنا اور چند لمحوں کے لیے ان کی یاد تازہ کر لینا ہی ہمارے لیے کافی ہے؟ یا پھر عرسِ مجدد الف ثانیؒ ہمیں اس سے کہیں بڑا پیغام دے کر جاتا ہے؟

کیا ہم نے کبھی یہ سوچا کہ جس بزرگ کی یاد میں ہم عرس مناتے ہیں، ان کی زندگی ہمیں کیا سکھاتی ہے؟ ان کی سیرت کیا پیغام دیتی ہے؟

ان کا کردار ہمارے لیے کیا نمونہ ہے؟ اور دین و ملت کی اصلاح کے لیے ان کی جدوجہد آج ہمارے لیے کس قدر قابلِ عمل ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ عرس صرف یاد کا نام نہیں، سبق لینے کا بھی موقع ہے؛ صرف عقیدت کے اظہار کا نام نہیں، اپنے کردار کے محاسبے کا بھی موقع ہے۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عرس ہر سال آتا ہے اور ہمیں یہ پیغام دے کر جاتا ہے کہ اگر ہم واقعی ان سے محبت کرتے ہیں تو ہمیں صرف ان کا نام نہیں لینا، بلکہ ان کے مجددانہ کردار، حق گوئی، علمی بصیرت، اصلاحی جدوجہد اور دین کے لیے استقامت سے بھی سبق لینا ہوگا۔ آج جب ہمارے معاشرے میں فکری انتشار، افراط و تفریط، غیر ذمہ دارانہ خطابت اور مختلف سطحوں پر دینی قیادت کے کردار کے حوالے سے سوالات موجود ہیں، تو مجدد الف ثانیؒ کی سیرت ہمارے لیے ایک آئینہ بن سکتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ آج کے علماء کا کردار کیا ہونا چاہیے؟ مقررین کس طرح عوام کی اصلاح کریں؟

علمائے ربانیین کی راہ کیا ہے؟

علماءِ سوء سے کیسے بچا جائے؟

اور اگر اہلِ اقتدار ظلم و ناانصافی کریں تو ایک عالمِ دین کا شرعی، حکیمانہ اور باوقار طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے؟

انہی سوالات کے جوابات تلاش کرنے کے لیے آیئے، عرسِ مجدد الف ثانیؒ کے موقع پر ان کی سیرت کے آئینے میں اپنے دور اور اپنے کردار کا جائزہ لیتے ہیں۔

مجدد الف ثانیؒ: ایک شخصیت نہیں، ایک مجددانہ فکر،

دنیا کے ہر دور میں ایسے فتنے جنم لیتے رہے ہیں جن کے مقابلے کے لیے صرف علم کا ہونا کافی نہیں ہوتا، بلکہ علم کے ساتھ بصیرت، اخلاص، تقویٰ، حکمت اور حق گوئی بھی ضروری ہوتی ہے۔ کبھی فتنہ عقیدے کے میدان میں سر اٹھاتا ہے، کبھی فکر و نظر کو متاثر کرتا ہے، کبھی معاشرتی اقدار کو کمزور کرتا ہے اور کبھی اہلِ علم کے کردار ہی کو آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔ ایسے ہی ادوار میں بعض شخصیات تاریخ کے افق پر نمایاں ہوتی ہیں جو صرف کتابیں نہیں پڑھتیں بلکہ زمانے کی نبض پہچانتی اور امت کی اصلاح کے لیے اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ انہی عظیم شخصیات میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ کا نام نہایت نمایاں ہے۔ مجدد الف ثانیؒ کا تذکرہ صرف ماضی کی ایک عظیم شخصیت کا تذکرہ نہیں، بلکہ آج کے علماء، خطباء، مقررین اور دینی قیادت کے لیے بھی ایک آئینہ ہے۔ ان کی زندگی یہ سبق دیتی ہے کہ عالمِ دین اپنے زمانے کے حالات سے بے خبر رہ کر صرف کتابوں تک محدود نہیں رہتا، بلکہ جہاں دین کی اصلاح اور امت کی رہنمائی کی ضرورت ہو وہاں اپنی ذمہ داری ادا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجدد الف ثانیؒ کی سیرت کو صرف تاریخی واقعات کے طور پر پڑھنا کافی نہیں، بلکہ اس میں اپنے موجودہ حالات کے لیے رہنمائی تلاش کرنا بھی ضروری ہے۔ عالم صرف عالم نہ ہو، عالمِ ربانی بننے کی کوشش کرے علم ایک عظیم نعمت ہے، مگر علم کے ساتھ اگر اخلاص اور خوفِ خدا نہ ہو تو یہی علم انسان کے لیے آزمائش بن سکتا ہے۔ عالمِ دین کی ذمہ داری عام آدمی سے کہیں زیادہ ہے، کیونکہ عوام اسے دین کا نمائندہ سمجھتے ہیں۔

فتاویٰ رضویہ میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوبات سے ایک نہایت فکر انگیز عبارت نقل کی گئی ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "یہ عبارت راقم نے مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ العزیز کی جلد اوّل کے ص ۹۳ مکتوب ۳۳ سے نقل کی ہے،

اب جو لوگ شیطان کی وحی پر چلنا چاہتے ہیں وہ اپنے نفس کی شامت سے حزب الشیطان ہو جائیں، ان کے جلانے اور سزا دینے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے جہنم تیار کر رکھی ہے، اور جو شیطان سے کفر کرتے ہیں اور خدائے تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں ان کی فہمائش کے لیے علمائے ربانیین نے حکمِ شریعت مدلل لکھ دیا ہے، فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ۔" (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۱، ص ۷)

قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا: فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ فَأَنّٰى تُصْرَفُونَ۔

ترجمہ کنز العرفان: "تو حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؟ پھر تم کہاں پھیرے جاتے ہو؟" یہاں "علمائے ربانیین" کا لفظ ہماری خصوصی توجہ چاہتا ہے۔ عالم ہونا ایک اعزاز ہے، لیکن عالمِ ربانی بننا ایک ذمہ داری ہے۔ عالمِ ربانی وہ ہے جو اپنے علم کو اپنی ذات کی بڑائی، شہرت، منصب یا دنیاوی مفاد کا ذریعہ نہیں بناتا، بلکہ دین کی حفاظت، شریعت کی سربلندی اور مخلوقِ خدا کی اصلاح کو اپنا مقصد بناتا ہے۔ وہ حق کو حق سمجھ کر بیان کرتا ہے، باطل سے بچنے کی دعوت دیتا ہے، اپنے نفس

رب کی بندگی میں انسان کی عزت، عظمت اور سربلندی کا راز

ڈاکٹر محمد عبدالسمیع ندوی اسسٹنٹ پروفیسر مولانا آزاد کالج آف آرٹس، سائنس اینڈ کامرس، اورنگ آباد

موبائل نمبر 9325217306

انسان ہمیشہ سے عزت، وقار، عظمت اور سربلندی کا متلاشی رہا ہے۔ ہر دور میں انسان نے عزت حاصل کرنے کے مختلف پیمانے قائم کئے۔ کسی نے دولت کو معیار بنایا، کسی نے اقتدار کو، کسی نے شہرت کو اور کسی نے خاندانی وجاہت کو۔ لیکن اسلام نے عزت و سربلندی کا جو تصور پیش کیا ہے، وہ ان تمام دنیاوی پیمانوں سے بلند اور دائمی ہے۔ اسلام کے نزدیک انسان کی حقیقی عزت اس کے رب کی بندگی میں پوشیدہ ہے۔ یہی حقیقت ایک نہایت بلیغ اور روح پرور عربی عبارت میں نہایت جامع انداز میں بیان ہوئی ہے:

كفى بي عزًّا أن أكون لك عبدًا،
وكفى بي فخرًا أن تكون لي ربًّا،

ترجمہ: "میرے لئے عزت کے لئے یہی کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں، اور میرے لئے فخر کے لئے یہی کافی ہے کہ تو میرا رب ہے۔ اے اللہ! تو ویسا ہی ہے جیسا میں تجھے پسند کرتا ہوں، پس مجھے بھی ویسا بنا دے جیسا تو پسند کرتا ہے۔"

یہ مختصر سی دعا درحقیقت بندگی، معرفت، محبت، توکل، اخلاص اور خود احتسابی کا ایسا جامع درس ہے جس میں ایک مومن کی پوری زندگی کا فلسفہ سمٹ آیا ہے۔

سب سے پہلے بندہ یہ اعتراف کرتا ہے کہ اس کی اصل عزت اللہ کی بندگی میں ہے۔ قرآن مجید نے اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ﴾

"عزت تو صرف اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان ہی کے لئے ہے۔"

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ جو عزت اللہ سے وابستہ نہیں، وہ عارضی اور فانی ہے۔ مال ختم ہو سکتا ہے، اقتدار چھن سکتا ہے، شہرت ماند پڑ سکتی ہے، لیکن اللہ کی بندگی سے حاصل ہونے والی عزت نہ دنیا میں زائل ہوتی ہے اور نہ آخرت میں۔

اسلام کا تصورِ بندگی انسان کو ہر قسم کی غلامی سے آزاد کرتا ہے۔ جو شخص اللہ کا بندہ بن جاتا ہے، وہ نفس کی غلامی، خواہشات کی اسیری، دولت کی محبت، اقتدار کے نشے اور لوگوں کی خوشنودی کی زنجیروں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس کی پیشانی صرف اپنے رب کے سامنے جھکتی ہے، اسی لیے دنیا کی کوئی طاقت اسے ذلیل نہیں کر سکتی۔ حضرت عمر بن خطابؓ کا وہ تاریخی جملہ آج بھی رہنمائی کرتا ہے: "ہم وہ قوم ہیں جسے اللہ نے اسلام کے ذریعے عزت عطا کی، لہٰذا اگر ہم عزت کسی اور چیز میں تلاش کریں گے تو اللہ ہمیں ذلیل کر دے گا۔"

عبارت کا دوسرا جملہ بندے کے ایمان کی معراج ہے:

"وکفی بي فخرًا أن تكون لي ربًّا"

یعنی "میرے لئے فخر کی بات یہی کافی ہے کہ تو میرا رب ہے۔"

دنیا میں لوگ بڑے خاندانوں، بااثر شخصیات اور طاقتور حکومتوں سے اپنی نسبت پر فخر کرتے ہیں، لیکن ایک مومن کا سب سے بڑا فخر یہ ہے کہ اس کا رب وہ اللہ ہے جو زمین و آسمان کا خالق، تمام جہانوں کا مالک، رحمن، رحیم، غفور، کریم اور حکیم ہے۔ جس رب کی رحمت کی کوئی انتہا نہیں، جس کے خزانے کبھی ختم نہیں ہوتے، جس کی قدرت ہر چیز پر محیط ہے، اس کی ربوبیت سے بڑھ کر کوئی نسبت قابلِ فخر نہیں ہو سکتی۔

اس کے بعد بندہ کہتا ہے:

"أنت كما أحب" یعنی "اے اللہ! تو ویسا ہی ہے جیسا میں تجھے پسند کرتا ہوں۔"

اس جملے میں بندے کا حسنِ ظن نمایاں ہوتا ہے۔ وہ اپنے رب کو رحمت، مغفرت، کرم، عفو، شفقت اور محبت کا سرچشمہ سمجھتا ہے۔ وہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر ستر ماؤں سے زیادہ مہربان ہے، ان کی توبہ قبول کرتا ہے، ان کی لغزشوں کو معاف فرماتا ہے اور ہر حال میں ان کے لئے خیر ہی چاہتا ہے۔

لیکن اس دعا کا سب سے بلند اور انقلابی حصہ آخری جملہ ہے: "فاجعلني كما تحب"

"اے اللہ! مجھے بھی ویسا بنا دے جیسا تو پسند کرتا ہے۔"

یہ الفاظ بندگی کی معراج ہیں۔ عام طور پر انسان یہ دعا کرتا ہے کہ اللہ اس کی خواہشیں پوری کر دے، لیکن یہاں بندہ اپنی خواہشات کو اللہ کی رضا کے تابع کر دیتا ہے۔ گویا وہ عرض کرتا ہے کہ اے رب! میری پسند نہیں، تیری پسند میری زندگی کا معیار بن جائے۔ میرے اخلاق، میرا کردار، میری سوچ، میری عبادت، میرے معاملات، میری گفتگو اور میری پوری زندگی تیری رضا کے مطابق ہو جائے۔

آج کا انسان دوسروں کی نظروں میں بڑا بننے کی فکر میں مبتلا ہے۔ سوشل میڈیا کی مقبولیت، دنیاوی کامیابی، ظاہری شخصیت اور وقتی تعریف کو عزت کا معیار سمجھ لیا گیا ہے، جبکہ اسلام انسان کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ اگر تم اللہ کی نگاہ میں محبوب بن گئے تو دنیا کی عزت خود تمہارے قدم چومے گی۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ "بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ تاریخِ اسلام کے وہ عظیم انسان جن کے پاس نہ سلطنت تھی، نہ دولت اور نہ ظاہری وسائل، آج بھی دنیا ان کا نام ادب و احترام سے لیتی ہے، کیونکہ ان کی عزت کا سرچشمہ اللہ کی بندگی تھی۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی زندگی کا رخ دنیا کی عارضی کامیابیوں سے ہٹا کر اللہ کی رضا کی طرف موڑیں۔ اگر ہم اپنے گھروں، اپنے کاروبار، اپنی ملازمت، اپنی تعلیم، اپنی سیاست اور اپنے سماجی معاملات میں اللہ کے احکام کو مقدم کر لیں تو ہماری انفرادی زندگی بھی سنور جائے گی اور ہمارا اجتماعی وجود بھی عزت و وقار کا آئینہ دار بن جائے گا۔

آیئے! ہم اس دعا کو صرف زبان پر نہ رکھیں بلکہ اپنی زندگی کا شعار بنائیں:

كفى بي عزًّا أن أكون لك عبدًا،
وكفى بي فخرًا أن تكون لي ربًّا،
أنت كما أحب،
فاجعلني كما تحب.

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی حقیقی بندگی نصیب فرمائیے، اپنے بارے میں حسنِ ظن عطا فرمائیے، اپنی رضا کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق بخشئے اور دنیا و آخرت کی حقیقی عزت و سربلندی سے سرفراز فرمائیے۔ آمین۔

نیپال اردو ٹائمز عوامی مسائل کا ترجمان 'حق وانصاف کا علمبردار

از ثناء وقار

[کاونسلنگ سائیکالوجسٹ , بین الاقوامی یوتھ رائٹر] اورنگ آباد مہاراشٹر: بھارت)

اخبار کے ذریعے قوم وملت اور سماج وعوام کی خدمت کی جا سکتی ہے سماج وعوام کی ضروریات کو حکومت تک پہنچایا جا سکتا ہے اور یہ کام ملک اور بیرون ملک میں بے باکی سے ہفت روزہ نیپال اردو ٹائمز بہت معیاری طریقے سے ترجمانی انجام دے رہا ہے آج نیپال اردو ٹائمز اعتماد واعتبار کی علامت بن چکا ہے اور یہ اخبار نہ صرف اشاعت ہو رہا ہے بلکہ حقیقی معنوں میں ملی ترجمانی کا حق بھی ادا کر رہا ہے موجودہ دور کے چیلنجز کا مقابلہ کرتے ہوئے اردو صحافت کے وقار کو بلند کرنے میں نیپال اردو ٹائمز اہم رول ادا کر رہا ہے اس اخبار نے مثبت پہلو اور مثبت رجحانات کو ترجیح دی نیپال جیسے ملک سے اردو زبان کو فروغ دینا یہ اپنے آپ میں قابل ستائش کاوش ہے, نیپال میں اردو زبان وہ ادب کی ترویج واشاعت کے عنوان سے مورخ جب تاریخ مرتب کرے گا تو نیپال اردو ٹائمز کا نام انشاءاللہ سر فہرست ہوں گا, اس نیپال اردو ٹائمز اخبار سے ہندوستان کے کئی بڑے اور نامور شخصیات جڑے ہوئے ہیں جن میں سے ہمارے استاد محترم ڈاکٹر محمد عبدالسمیع صاحب اور نگ آباد مہاراشٹر باوقار شخصیت سر فہرست ہے استاد محترم کے عصری اور دینی بیداری پر مبنی مضامین کی اشاعت باضابطہ طور پر اس اخبار کی زینت بنی ہوتی ہے جسے پڑھ کر بہت زیادہ مسرت حاصل ہوتی اور زندگی کے معاملات میں مثبت تبدیلی کے لیے محترم کے مضامین اہم کردار ادا کر رہے ہیں اور کافی رہنمائی ملتی ہے, نیپال اردو ٹائمز اخبار اردو صحافت اور محض خبروں کی ترسیل کا ذریعہ نہیں رہا بلکہ اس نے لسانی تحفظ, سماجی بیداری اور ملک سے بیرون ملک میں بھائی چارگی , دوستانہ تعلقات , تعلیمی, نفسیاتی, طبّی اور ادبی احیا میں فعال کردار ادا کیا نیپال اردو ٹائمز جیسی کاوشیں یہ ثابت کرتی کہ زبان کی بقا اور ترقی کے امکانات آج بھی باقی ہے , نیپال اردو ٹائمز نے نہ صرف اہل اردو کو ایک پلیٹ فارم فراہم کیا بلکہ نئی نسل کے قلوب میں بھی اردو کی محبت بیدار کی یہ اخبار اس بات کا ثبوت ہے کہ اخلاص اور عزم موجود ہو تو خواب حقیقت میں ڈھلتے ہیں زبان محض الفاظ کا ہجوم نہیں ہوتی یہ تہذیب کی امین ثقافت کی ائینے دار اور قوموں کے شعور کی ترجمان ہوتی ہے جب کوئی زبان کسی ایسی سرزمین میں قدم رکھتی ہے جہاں اس کی کوئی واضح روایت موجود نہ ہو تو یہ ایک انقلاب ہوتا ہے یہی انقلاب نیپال کی سرزمین پر نیپال اردو ٹائمز کے قیام کے ذریعے سے برپا ہوا ہے ماشاءاللہ: بہرکیف ہم نیپال اردو ٹائمز کے (100: سو شمارے) مکمل ہونے پر اس اخبار کے ایڈیٹر اور چیف ایڈیٹر روح رواں ذی وقار حضرت مولانا عبدالجبار علیمی نظامی صاحب اور جملہ ٹیم ممبران کو اس عظیم کارنامے پر دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں آپ تمام کی یہ کاوش نہ صرف نیپال بلکہ پورے جنوبی ایشیا کی اردو صحافت کے لیے ایک مثال ہے ہم پروردگار عالم سے دعا گو ہے کہ وہ آپ کے اس جذبے صادق کو قبول فرمائے اللہ تعالی اس اخبار کو مزید عروج واستحکام بخشے اور اسے علم وادب دین و ملت اور سچائی وانصاف کا ترجمان بنائے رکھے اور اردو زبان کی شمع کو روشن رکھے آمین

بھارت کی موجودہ حکومت، ایسٹ انڈیا کمپنی کی راہ پر!

سرفراز احمد قاسمی حیدرآباد
رابطہ: 8099695186

ایسٹ انڈیا کمپنی نے متحدہ ہندوستان کو کس طرح لوٹا، خاص طور پر ہندوستان کی دولت اور وسائل کو کیسے اس نے برطانیہ منتقل کیا، اس بارے میں تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں، ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعے انگریز سامراج نے 200 برس تک حکومت کی اور ہندوستانی معیشت کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا، ایسٹ انڈیا کمپنی تجارت کے بہانے ہندوستان میں داخل ہوئی، اگر ہم متحدہ ہندوستان میں اس کمپنی کے داخلے کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس کمپنی نے سب سے پہلے تجارت کے بہانے، تاج برطانیہ کے نمک خوار، انگریز عہدیدار اور تاجرین کے بھیس میں خفیہ طریقے سے 1608ء میں داخل ہوئے، انھوں نے سب سے پہلے گجرات کی بندرگاہ سورت میں اپنے قدم رکھے، جبکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام 1600ء میں عمل میں لایا گیا تھا اور پھر 1611ء میں کمپنی نے خلیج بنگال کے ساحل آندھرا پر واقع مسولی پٹنم میں اپنی پہلی فیکٹری قائم کی، یہ کمپنی بتدریج اپنی موجودگی کا احساس دلاتی رہی اور اپنی سرگرمیوں کو وسعت دیتی رہی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کیپٹن تھامس نے 1612ء میں سورت کے قریب پرتگالیوں کو شکست سے دوچار کیا، حالانکہ خود پرتگالی ہندوستان میں اپنی سرگرمیوں کو وسعت دے کر یہاں اپنا دبدبہ و اجارہ داری قائم کرنے کے خواہاں تھے۔ جس وقت انگریز بہادر ایسٹ انڈیا کمپنی کی شکل میں ہندوستان میں داخل ہوئے، اس وقت ملک پر مغل بادشاہ جہانگیر کی حکومت تھی، چنانچہ اس کمپنی نے جہانگیر کے دربار سے شاہی فرمان حاصل کرتے ہوئے 1613ء میں سورت میں مستقل فیکٹری قائم کی، برطانوی حکومت نے 1615ء میں سر تھامس رو کو اپنا سفیر بنا کر ہندوستان بھیجا اور وہ جہانگیر کے دربار میں حاضر ہوا، اس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں اپنے تجارتی حقوق مزید مستحکم کرلئے، 19 دسمبر 2018ء کو الجزیرہ میں jason hickel پروفیسر انسٹیٹیوٹ فار انوائرنمنٹل، سائنس اینڈ ٹیکنالوجی وفیلورائل سوسائٹی آف آرٹس کا ایک مضمون شائع ہوا ہے، جس میں انہوں نے معروف ماہر اقتصادیات کی ایک نئی تحقیق کا حوالہ دیا ہے، جسے کولمبیا یونیورسٹی پریس نے حال ہی میں شائع کیا ہے۔ اس تحقیق میں انہوں نے ہندوستان میں انگریز سامراج کے 200 سالہ دور اقتدار میں ٹیکس اور ٹریڈ سے متعلق تمام تفصیلات جمع کی ہیں، انسا پٹنائک کے مطابق 1765 سے 1938 عیسوی کے دوران ہندوستان سے انگریزوں نے تقریبا 45 کھرب ڈالرس برطانیہ منتقل کئے، آج کے تناظر میں اس کو دیکھا جائے تو برطانیہ کے 45 کھرب ڈالرز، آج کے سالانہ جی ڈی پی سے 17 گنا زیادہ بنتے ہیں، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس قدر کثیر رقم انگریزوں نے برطانیہ کیسے منتقل کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ رقم تجارتی نظام کے ذریعے منتقل ہوئی، ہندوستان پر قبضہ سے قبل، ابتدائی دور میں انگریز ہندوستانی تاجرین سے عام طریقے کے تحت قیمت ادا کر کے پارچہ جات اور چاول خریدا کرتے تھے، زیادہ تر ان اشیاء کی قیمت چاندی کی شکل میں ادا کی جاتی تھی، دوسرے ملکوں کے ساتھ بھی انگریز اسی قسم کی تجارت کرتے تھے لیکن 1765 عیسوی میں اس عمل میں اس وقت تبدیلی آئی جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستانی تجارت پر اپنی اجارہ داری قائم کر لی اور ملک میں محاصل حاصل کرنا شروع کر دیا اور کمال ہوشیاری کے ساتھ محاصل سے حاصل ہونے والی آمدنی کو برطانوی استعمال کے لیے ہندوستانی مصنوعات کی خریدی میں استعمال کیا جانے لگا، بالفاظ دیگر ہندوستانی مصنوعات کی قیمت اپنی جیب سے ادا کرنے کے بجائے انگریز تاجرین نے وہ مصنوعات مفت حاصل کی اور کسانوں سے ٹیکس کی شکل میں حاصل کردہ رقم سے کسانوں سے ہی مصنوعات حاصل کی، یہ دراصل ایک اسکام تھا، جسے ہم بڑے پیمانے پر چوری یا سرقہ بھی کہہ سکتے ہیں، انگریز بہادر کی اس چوری کا ہندوستانیوں کو پتہ نہیں چل سکا کیونکہ جو انگریز مصنوعات خریدا کرتے تھے وہ دوسرے انگریز ہوا کرتے تھے، محاصل حاصل کرنے والے نہیں، دوسری طرف برطانیہ بڑے پیمانے پر فولاد، ٹار اور ٹمبر، یورپ سے امپورٹ کرتا رہا، یہ ایسی مصنوعات تھیں جو برطانیہ کے صنعتی عمل کے لیے بہت ضروری تھے، اس طرح انگریزی سامراج نے ہندوستان سے ایک منصوبہ بند انداز میں سرقہ کیا، ایسٹ انڈیا کمپنی، ہندوستانی مصنوعات کو قیمت خرید سے کہیں زیادہ قیمتوں پر دوسرے ممالک کو فروخت کر دیا کرتی تھی، مگر جیسے ہی ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی اجارہ داری ختم ہوئی، ہندوستانی ایکسپورٹرس کو دوسرے ملکوں کی مصنوعات راست ایکسپورٹ کرنے کی اجازت مل گئی لیکن اس کے لیے ان تاجرین کو کسی نہ کسی طرح برطانیہ پر انحصار کرنا پڑتا تھا، ایک اور اہم بات یہ ہے کہ ہندوستانی مصنوعات کی فروخت سے ہونے والی آمدنی انگریز سامراج نے چین کے علاقوں پر قبضہ کرنے اور 1857ء کی بغاوت غدر کو ختم کرنے استعمال کی، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہندوستان پر انگریزوں کے 200 سالہ قبضے کے دوران ہندوستانیوں کی فی کس اوسط آمدنی میں کوئی اضافہ نہیں ہوا، جبکہ 1870ء تا 1920ء ہندوستان میں بھوک و افلاس کا شکار ہو کر لاکھوں ہندوستانی فوت ہوئے، آپ کو جان کر حیرت ہوگی کہ ہندوستان کو لوٹنے والی ایسٹ انڈیا کمپنی کا مالک اسوقت ایک ہندوستانی صنعت کار سنجیو مہتا ہے، انہوں نے اس کمپنی کو لگژری گڈس (مصنوعات) کا کاروبار کرنے والی کمپنی میں تبدیل کر دیا ہے، سنجو مہتا، ہندوستانی نژاد برطانوی صنعت کار ہیں، کبھی دنیا کی ایک بڑی نوآبادیاتی طاقت کے طور پر تاریخی کردار ادا کرنے والی ایسٹ انڈیا کمپنی، اب معیاری چائے (انواع و اقسام کی چائے کی پتی) کافی، چاکلیٹس اور تحفہ تحائف کے پیالجس کا کاروبار کرتی ہے۔

یہ تو ایسٹ انڈیا کمپنی کی کہانی تھی، ان دنوں مودی حکومت کے اقتدار کے 12 سال مکمل ہونے پر ملک کی سیاسی فضا میں ایک نیا ہنگامہ اور زبردست بحث چھڑ گئی ہے، ایک طرف جہاں اقتدار کے ایوانوں میں 12 سالہ دور حکومت کی کامیابیوں کا ڈھنڈورا پیٹا جارہا ہے، اسے ترقیاتی دور قرار دیا جارہا ہے تو وہیں دوسری طرف اپوزیشن جماعتوں، معاشی ماہرین اور سماجی کارکنوں نے موجودہ حکومت کے بڑے بڑے انتخابی وعدوں کو کٹہرے میں کھڑا کر دیا ہے، اور کہا یہ جارہا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی راہ پر چلتے ہوئے مودی حکومت ملک کو کنگال بنارہی ہے اور پوری طاقت کے ساتھ یہاں لوٹ کھسوٹ اور ڈاکہ زنی کا بازار گرم کر رکھا ہے، نریندر مودی کے بڑے بڑے انتخابی وعدے، 12 سالہ حکومتی کارکردگی اور اسکی حقیقت نے سیاسی حلقوں میں ہلچل مچا دی ہے، حکومت بیک فٹ پر ہے، پرکشش نعروں کی بھرمار نے نوجوانوں کو مایوس کر دیا ہے، 12 سال کا طویل عرصہ کسی بھی حکومت کی کارکردگی، اسکے نتائج کو جانچنے اور پرکھنے کے لیے کافی ہوتا ہے، مگر زمینی حقائق یہ بتاتے ہیں کہ حکومت کے معاشی اور سماجی ماڈل نے عام انسان کو مایوس کیا ہے اور مایوسی نے انھیں مہنگائی و بے روزگاری کے دلدل میں ڈھکیل دیا ہے۔ 2014 کے عام انتخابات کے لیے گجرات کے چیف منسٹر نریندر مودی کو پارٹی کی جانب سے وزیراعظم کا امیدوار بنانے کے بعد مودی نے بی جے پی انتخابی مہم کی باگ ڈور سنبھالتے ہی عوام کی تائید وہمدردی حاصل کرنے کے لیے کئی پرکشش وعدے کیے، ان میں ایک وعدہ یہ بھی تھا کہ بیرونی ممالک کے بینکوں میں موجود ملک کا کالا دھن واپس لا کر ہندوستان کے ہر شہری کے بینک اکاؤنٹ میں 15 لاکھ روپے منتقل کیے جائیں گے لیکن 12 سال کے عرصے میں نہ تو بیرون ممالک سے کالا دھن واپس آیا اور نہ ہی کسی شہری کے کھاتے میں ایک روپیہ بھی جمع ہوا، 15 لاکھ روپے دینے کے بجائے حکومت نے پیٹرول، ڈیزل، پکوان گیس کی قیمتوں میں بے تحاشہ اضافہ کر دیا اور نوٹ بندی وجی ایس ٹی کے ذریعے عام شہریوں کی محنت کی کمائی بھی پوری طریقے سے نچوڑ لی گئی، ملک کے بے روزگار نوجوانوں کو ہر سال دو کروڑ نئے روزگار فراہم کرنے کی ضمانت دی گئی تھی لیکن 12 سالہ دور حکومت میں بے روزگاری کی شرح پچھلی چند دہائیوں کی بلند ترین سطح پر پہنچ گئی ہے، امتحانات اور ملازمتوں کے امتحانات میں پرچہ جات کا افشا ہونا، تقرریوں میں تاخیر اور خانگی شعبے میں بدحالی کے باعث ملک کا تعلیم یافتہ نوجوان آج اپنے حق کے لئے سڑکوں پر لاٹھیاں کھانے کے لیے مجبور ہے، روزگار مانگنے پر انھیں لاٹھیاں، آنسو گیس اور گولیاں مل رہی ہیں، ملک کے 100 اہم شہروں کو جدید اور عالمی معیار کے اسمارٹ سٹی میں تبدیل کرنے کا وعدہ تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ مانسون کی معمولی بارش میں بھی ملک کے بڑے بڑے شہر پانی میں ڈوب جاتے ہیں، ناقص ڈرینیج سسٹم، سڑکوں پر کچرے کے انبار، پینے کے صاف پانی کا بحران، یہ ثابت کرتا ہے کہ اسمارٹ سٹی کا منصوبہ صرف کاغذی اشتہارات تک محدود ہو کر رہ گیا۔ پی ایم آواس یوجنا کے تحت سال 2022 تک ملک کے ہر بے گھر اور غریب، شہری کو پکا مکان دینے کا اعلان کیا گیا تھا لیکن افسوسناک امر یہ ہے کہ آج بھی لاکھوں غریب خاندان چھت سے محروم ہیں جبکہ دوسری جانب مختلف بہانوں سے غریبوں کی بستیوں اور مکانات پر بلڈوزر چلا کر انہیں بے گھر کرنے کا ایک نیا اور خوفناک کلچر ملک میں قائم کر دیا گیا۔ ہے، بڑھتی ہوئی مہنگائی پر قابو پانے کا وعدہ کیا گیا تھا لیکن مہنگائی کی مار کا نعرہ لگا کر اقتدار میں آنے والی مودی حکومت نے مہنگائی کو کنٹرول کرنے کے تمام وعدوں کو ہوا میں اڑا دیا، پیٹرول اور ڈیزل کی قیمتوں نے جہاں ہر چیز کو مہنگا کیا وہیں ایل پی جی، دالیں، چاول، دودھ اور ترکاریاں اتنی مہنگی ہو گئی ہیں کہ غریب، مزدور اور اوسط طبقے کے لیے دو وقت کی روٹی کا انتظام کرنا بھی محال ہو چکا ہے، ایسا لگتا ہے کہ روزمرہ اشیاء کی قیمتیں من مانی طریقے سے فروخت ہو رہی ہیں اور قیمتوں پر کوئی لگام نہیں ہے، ملک میں بھکمری عروج پر پہنچ چکی ہے، شفافیت اور صفر کرپشن کا جھوٹا نعرہ لگانے والی حکومت پر اپوزیشن کی جانب سے سنگین مالی بے ضابطگیوں کے الزامات عائد کیے جا رہے ہیں، جل جیون مشین جیسے اربوں روپے کے قومی منصوبوں میں ابتر تعمیرات، مقامی سطح پر کمیشن خوری اور رشوت ستانی کے واقعات نے یہ واضح کر دیا کہ نہ کھاؤں گا نہ کھانے دوں گا کا نعرہ محض سیاسی لفاظی سے زیادہ کچھ نہیں تھا، پی ایم کیئر فنڈ اور مندروں کے چندہ ڈکیتی تک کو نہیں چھوڑا جارہا ہے، گنگا ندی کو آلودگی سے پاک اور صاف، شفاف بنانے کی ضمانت دی گئی، اس کے لیے اربوں روپے کے فنڈس جاری کیے گئے، تاہم ماحولیاتی ماہرین کی رپورٹ کے مطابق آج بھی گنگا ندی میں کیمیائی فضلہ اور زہریلا پانی گر رہا ہے اور ندی کی حالت 12 سال پہلے کے مقابلے میں مزید ابتر ہو گئی ہے، ملک کو پانچ ٹریلین ڈالر کی عالمی معاشی طاقت بنانے کا وعدہ تھا لیکن عالمی مالیاتی اداروں، آئی ایم ایف کی رپورٹس اور معاشی اشاریوں کے مطابق فی کس آمدنی، معاشی عدم مساوات اور افراط زر کی وجہ سے اسوقت ملکی معیشت کو شدید بحران کا سامنا ہے، ملک کی جی ڈی پی درجہ بندی میں کوئی متوقع استحکام نہیں آسکا، ممبئی اور احمد آباد کے درمیان 2022 تک بلٹ ٹرین دوڑانے کا سنہرا خواب دکھایا گیا تھا لیکن 12 سال گزرنے کے باوجود بلٹ ٹرین پراجیکٹ زمینی، نزاعی مسائل اور تکنیکی تاخیر کی وجہ سے ادھورا پڑا ہے، جبکہ ملک کی عام مسافر ٹرینوں میں بدحالی، تاخیر اور حادثات کے واقعات میں مسلسل اضافہ دیکھنے کو مل رہا ہے۔ حکومت تشکیل پانے کے پہلے 100 دنوں کے اندر سوئس بینک اور دیگر غیر ملکی اکاؤنٹس میں موجود تمام کالا دھن واپس لانے کی پکی ضمانت دی گئی تھی لیکن 12 سال کا طویل عرصہ گزرنے کے بعد کالا دھن واپس تو نہیں آیا مگر کئی صنعت کار، ملک کے بینکوں کو لوٹ کر بیرون ممالک فرار ہو گئے، 2014 سے قبل امریکی ڈالر کے مقابلے ہندوستانی کرنسی کی گرتی ہوئی قدر پر کڑی تنقید کی گئی تھی اور روپیے کو ڈالر کے برابر مضبوط بنانے کا دعوی کیا گیا تھا لیکن موجودہ دور میں ہندوستانی روپیہ امریکی ڈالر کے مقابلے میں تاریخ کی کم ترین سطح پر پہنچ کر ایشیا کی سب سے کمزور ترین کرنسیوں کی فہرست میں شامل ہو چکا ہے، 12 سال کی اس ناکام کارکردگی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اچھے دن کا وعدہ صرف ایک انتخابی سراب تھا، عام شہری، آج بے روزگاری، کمر توڑ مہنگائی اور معاشی بحران کے بدترین دور سے گزر رہا ہے، ہندوستان کی سب سے بڑی طاقت اس کا نوجوان طبقہ ہے جو آج سب سے زیادہ بے چینی، اضطراب اور غیر یقینی صورتحال کا شکار ہے، شاید اسی لیے وہ ملک کے مختلف شہروں میں سڑکوں پر ہے، حکومت کے خلاف نعرے بازی کر رہا ہے اور حکومت کی غلط پالیسوں کو اجاگر کر رہا ہے، عوامی سطح پر نوکریوں کی عدم دستیابی اور گرتی ہوئی معاشی صورتحال نے حکمران جماعت کے لیے شدید چیلنجس کھڑے کر دئے ہیں، آنے والے دنوں میں یہ دیکھنا انتہائی اہم ہوگا کہ کیا حکومت ان بنیادی سوالات، 12 سالوں کا حساب اور معقول جواب پیش کر پاتی ہے یا پھر اپوزیشن سمیت نوجوانوں کے اندر اٹھنے والا طوفان سیاست میں کوئی بڑا انقلاب لائے گا، ایسے میں سوال یہی ہے کہ کیا ملک کی موجودہ مودی حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی کی راہ پر ہے؟ پھر اس سے نکلنے کا راستہ کیا ہے؟

(مضمون نگار، معروف صحافی اور کل ہند معاشرہ بچاؤ تحریک کے جنرل سکریٹری ہیں)

sarfarazahmedqasmi

اظہارِ محبت بھی جرم ٹھہرا

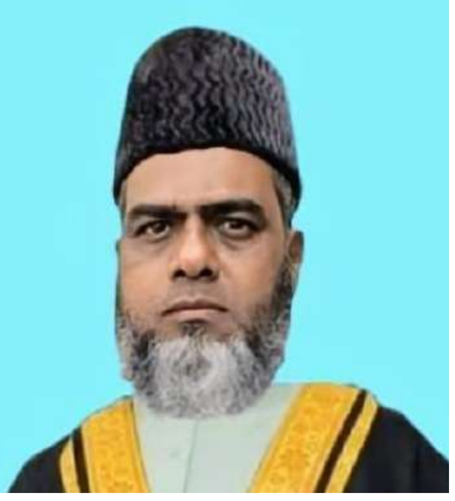

نہ جانے غربت آڑے آتی ہے یا صورت؟

تحریر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جاوید بھارتی

محبت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ایک نہایت پاکیزہ، فطری اور مقدس نعمت ہے۔ یہ وہ جذبہ ہے جو انسان کے دل میں خلوص، ایثار، ہمدردی اور قربانی پیدا کرتا ہے۔ محبت صرف دو دلوں کو ہی نہیں بلکہ خاندانوں، معاشروں اور پوری انسانیت کو جوڑنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ مگر افسوس کہ موجودہ دور میں محبت کی اصل روح کہیں کھو سی گئی ہے۔ آج محبت کو کردار، اخلاص اور وفاداری کی بجائے دولت، حسن، شہرت اور سماجی حیثیت کی کسوٹی پر پرکھا جانے لگا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا اظہارِ محبت بھی جرم بن گیا ہے۔ جب کوئی غریب شخص اپنے دل کی بات زبان پر لاتا ہے تو اکثر اسے حقارت، طنز یا مذاق کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے جذبات کو یہ کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے کہ وہ اس رشتے کے قابل نہیں، کیونکہ اس کے پاس دولت، اعلیٰ ملازمت یا آسائشیں نہیں ہیں۔ دوسری طرف اگر یہی اظہار کسی مالدار یا بااثر شخص کی طرف سے ہو تو اسے خوش قسمتی، کامیابی یا بہترین رشتہ قرار دے دیا جاتا ہے۔ یہ رویہ اس بات کی علامت ہے کہ ہم انسان کی اصل قدر کو بھول کر اس کی مالی حیثیت کو اہمیت دینے لگے ہیں۔

اسی طرح ظاہری حسن کو بھی غیر معمولی اہمیت دی جاتی ہے۔ خوبصورت چہروں کو آسانی سے قبول کر لیا جاتا ہے جبکہ سادہ شکل وصورت رکھنے والے افراد کو اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے، خواہ ان کا کردار کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو۔ حالانکہ حسن وقت کے ساتھ ڈھل جاتا ہے، مگر اچھا اخلاق، وفاداری، عزت، خلوص اور محبت ہمیشہ قائم رہتے ہیں۔ جو رشتہ صرف خوبصورتی کی بنیاد پر قائم ہو، وہ اکثر وقت کی آزمائش میں کمزور پڑ جاتا ہے، جبکہ کردار اور اعتماد پر قائم ہونے والے رشتے مضبوط اور پائیدار ثابت ہوتے ہیں۔

افسوس کی بات یہ بھی ہے کہ سوشل میڈیا نے اس سوچ کو مزید تقویت دی ہے۔ آج لوگ حقیقت سے زیادہ دکھاوے کو پسند کرتے ہیں۔ مہنگے لباس، قیمتی گاڑیاں، بڑی تقریبات اور مصنوعی طرزِ زندگی کو کامیابی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ ایسے ماحول میں سچے جذبات اکثر پسِ پشت چلے جاتے ہیں، اور محبت بھی ایک مقابلہ یا نمائش بن کر رہ جاتی ہے۔ اسلام کی تعلیمات اس سوچ کے بالکل برعکس ہیں۔ اسلام انسان کی عزت کا معیار دولت، رنگ، نسل یا خوبصورتی کو نہیں بلکہ تقویٰ، کردار اور اخلاق کو قرار دیتا ہے۔ اگر ہمارے معاشرے میں بھی انہی اصولوں کو اپنایا جائے تو نہ کسی غریب کے جذبات مجروح ہوں گے اور نہ کسی کی سچی محبت کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی سوچ اور رویوں کا جائزہ لیں۔ ہمیں چاہیے کہ انسانوں کو ان کی نیت، کردار، اخلاق اور وفاداری کی بنیاد پر پہچانیں، نہ کہ ان کے لباس، بینک بیلنس یا ظاہری حسن کی بنیاد پر۔ محبت وہی ہے جس میں احترام، اعتماد، قربانی اور اخلاص ہو۔ ایسی محبت نہ کبھی جرم تھی، نہ ہے اور نہ ہی ہو سکتی ہے۔ جرم تو وہ سوچ ہے جو انسان کی قیمت اس کی جیب یا چہرے سے لگاتی ہے۔

آخر میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ محبت کو جرم بنانے والی نہ محبت ہے، نہ غریب انسان اور نہ سادہ صورت؛ بلکہ وہ معاشرتی سوچ ہے جو ظاہری چمک دمک کو حقیقت پر ترجیح دیتی ہے۔ جس دن ہم انسان کی اصل قدر کو اس کے کردار، اخلاق اور اخلاص سے پہچاننا شروع کر دیں گے، اس دن محبت دوبارہ عزت، اعتماد اور پاکیزگی کی علامت بن جائے گی، اور کسی کو یہ احساس نہیں ہوگا کہ اظہارِ محبت بھی جرم ہے۔

جاوید اختر بھارتی سابق سکریٹری یوپی بنکر یونین محمد آباد گوہنہ ضلع مئو یوپی
javedbharti508@gmail.com

پیغمبر اسلام کی آمد سے قبل ایران کے حالات

از: راشد حسن نجمی (متعلم جامعہ غوثیہ نجم العلوم، مرکزی ادارہ سنی دعوت اسلامی، جماعت: سادسہ)

پیغمبر اسلام ﷺ کی بعثت سے پہلے بہت سی قومیں اور بہت سے ممالک ایسے تھے، جن کو متمدن اور مہذب سمجھا جاتا تھا، اِنہی قوموں میں دو قومیں ایسی تھیں، جن کو سب سے زیادہ متمدن اور سب سے زیادہ مہذب سمجھا جاتا تھا:

(1) ایران

(۲) روم

پہلے کے بادشاہ کو "کسری"، جب کہ دوسرے کے بادشاہ کو "قیصر" کہا جاتا تھا۔ آج ہم اِن میں سے ایک کے بارے میں پڑھیں گے، جس سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر پیغمبرِ اسلام کی آمد سے قبل مہذب اور متمدن قوموں کے حالات ایسے ہیں، تب غیر مہذب اور غیر متمدن قوموں کے حالات کیا رہے ہوں گے۔

ایران کا حدود اربعہ:

سب سے پہلے اِس ملک کے حدود اربعہ کو بیان کیا جاتا ہے، جو چھٹی صدی عیسوی میں تھا، جو یہ ہے:

افغانستان، بلوچستان، سودیانہ، بلخ، عراق اور موجودہ پرشیا، جس کو فارس کہا جاتا ہے (یہ اُس وقت کی مملکت کا ایک جنوبی حصہ جنوب مشرقی صوبہ تھا، اِس کو ایران اس لیے کہا جاتا تھا کہ وہ آریوں کا ملک تھا)۔ [دی ایج آف فیتھ، ص:۱۳۶]

اہلِ ایران کا مذہبی عقائد:

آریہ قوم مظاہر پرستی کا شکار تھی، روشنی، آسمان، آگ، ہوائیں اور بارشیں اِن سب کی معبودوں کی طرح پرستش کی جاتی تھی اور ظلمت و قحط سالی کو ملعون دیو تصور کیا جاتا تھا، وہاں صرف ایک خاندان کو مذہبی اجارہ داری حاصل تھی۔

ایران کے سیاسی حالات:

ایران میں حکومت خاندان کے اعتبار سے ہوتی تھی، جیسے، ساسانی خاندان، پارتھیا خاندان، پارتھیا کے عہدِ حکومت میں سات خاندانوں کو سیاسی اور معاشی طور پر برتری حاصل تھی، دیگر ایرانی خاندان اُن میں دو تو شاہی خاندان تھے اور ایک خاندان وہ تھا، جس کو بادشاہ کو تاج پہنانے کا موروثی حق حاصل تھا۔ صوبوں کی گورنری بھی ان ہی ممتاز خاندانوں کو حاصل تھی، بادشاہ کے اختیارات کسی قانون کے تحت نہیں تھے، بلکہ وہ کامل خود مختاری سے حکومت کرتا تھا، سلطنت کا خزانہ اور بادشاہ کا خزانہ ایک ہی ہوتا۔

پارتھیوں کے عہدِ حکومت میں (بلکہ اس سے پہلے بھی) ایران تقریباً دو سو چالیس چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا، لیکن ساسانی خاندان کے عہد حکومت میں وہ ایک آزاد اور طاقتور ملک کی حیثیت سے صفحۂ تاریخ پر اُبھرا۔

ساسانی خاندان کے بادشاہوں نے عوام کے دلوں میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ اُن کو بادشاہی اُن کے معبودوں نے عطا کیا ہے، جس کی وجہ سے رعایا اُن کے خلاف بغاوت کرنے سے ڈرتی تھی اور کسی کے لیے یہ بات روا نہ تھی کہ وہ اپنے آبائی پیشے کو چھوڑ کر دوسرا پیشہ اختیار کرے اور مذہبی علما نے اُن کے قلوب میں یہ بات ڈال دی تھی کہ اُن کے باپ دادا نے یہ پیشہ خود اختیار نہیں کیا ہے، بلکہ ہمارے خدا نے اُن کو یہ پیشہ عطا کیا ہے۔

عوام و حکمران میں بہت امتیازات تھے، جنھیں نمایاں کرنے کے لیے کئی طریقے متعین کیے گئے، مثلاً جس دن بادشاہ فصد لگواتا، یا کوئی دوا کھاتا، اُس دن عوام میں اِس بات کا اعلان کر دیا جاتا کہ کوئی بھی اُس دن دوا نہ کھائے، اُن کا یہ عقیدہ تھا کہ اگر وہی کام عوام بھی اُس دن کرے گی تو بادشاہ پر دوا کا اثر نہیں ہوگا۔

معاشی حالات:

وہاں کے عوام کو دو طبقہ میں تقسیم کر دیا گیا تھا:

پہلا طبقہ: وہاں کے امرا و روسا کا تھا، جن کے پاس ملک کی دولت سمٹ کر آگئی تھی اور اُن کے پاس ہر قسم کی آسائش تھی۔

دوسرا طبقہ: وہاں کے عوام کا تھا، جو مزدور، کسان اور دست کار تھے، جن پر ٹیکس کا بوجھ ڈال دیا جاتا اور وہاں کے بڑے بڑے جاگردار اور حاکموں سے ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا، عوام میں سے کسی کو یہ حق بھی نہ تھا کہ وہ جائداد کی قیمت ادا کر کے اسے خرید سکے، اس طرح اُن کے بادشاہوں اور روسا کے پاس بے انتہا مال و زر ہوتا، جب کہ عوام بھوک سے مرتی تھی۔

ایران کے اخلاقی حالات:

ایران میں تعددِ ازواج کا رواج عام تھا، جو شخص جتنی شادی کرنا چاہے کر سکتا تھا، ان میں سے ہر ایک کو برابری کا حق نہیں تھا، بلکہ تمام بیویوں میں بعض کو بعض پر خصوصی امتیازات حاصل تھا، اُن میں ایک بڑی بیوی ہوتی، جس کو "زن پادشاہ" کہا جاتا اور اس کے خاص حقوق تھے، اُس کے علاوہ دوسری بیویوں کا درجہ کم تھا۔

محرمات سے شادی کرنے کا عام رواج تھا، دوسری شادی کے مقابل میں اپنی بہن اور بیٹی سے شادی کرنے کی بڑی فضیلت تھی، اپنی بیوی کو عاریۃً اپنے دوست کو دے دیا جاتا اور وہ اس سے جسم فروشی کرا کے پیسے کماتا اور اِسے ایک قابل تعریف فعل سمجھا جاتا، شراب نوشی اور زناکاری عام تھی۔

یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آیا، جس میں ایک شخص نے ایک تحریک چلائی اور یہ کہا کہ: "کوئی عورت کسی کی مخصوص بیوی نہیں ہوگی، بلکہ وہ سب کے لیے مشترک ہوگی، جو شخص جب چاہے، اس سے تمتع اور لذت اندوزی کر سکتا ہے"۔

جب کوئی حکمران کسی سے جنگ کے لیے جاتا تو ہزاروں کسانوں کو گھسیٹتا ہوا اپنے ساتھ خدمت کے لیے لے جاتا اور انھیں اِس کے بدلے میں کوئی اجرت بھی ادا نہیں کی جاتی، مگر کسی کو اِس بے گاری سے انکار کی جرات نہ تھی۔ یہ اس ملک اور اس قوم کے حالات ہیں، جس کو متمدن و مہذب اور ایک عظیم ملک شمار کیا جاتا تھا، اب آپ اندازہ لگائیں کہ جب متمدن ملک کے حالات یہ ہیں، تب غیر متمدن اور غیر مہذب ملک کے حالات کیا رہے ہوں گے؟

لیکن جب آفتابِ نبوت کی روشنی عرب سے نکل کر پوری دنیا میں پھیلی اور جہاں جہاں اسلامی تعلیمات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، وہاں وہاں سے اِن تاریک حالات اور ناجائز رسومات کا خاتمہ ہوتا گیا، اِس سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت پوری انسانی برادری کے لیے ایک عظیم نعمت اور سراپا رحمت ہے۔

جب سنت چھوٹ جائے تو دین کیسے بچے؟

محمد عادل ارریاوی

27 صفر المظفر 1448ھ

آج ہم قرآن کریم سے محبت کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر کیا ہم نے کبھی یہ سوچا ہے کہ قرآن کریم کو سمجھنے اور اس پر صحیح طور پر عمل کرنے کا راستہ ہمیں کس نے دکھایا؟ وہ ذاتِ گرامی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جن کی پوری زندگی قرآن کریم کی عملی تفسیر تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اعمال اخلاق اور مبارک طریقے ہی وہ سنت ہے جس کے ذریعے ہمیں دین کا صحیح مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔

نماز کیسے پڑھنی ہے روزہ کس طرح رکھنا ہے زکوٰۃ کے احکام کیا ہیں حج کے مناسک کیسے ادا کرنے ہیں معاملات اور معاشرت میں ہمارا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے ان بے شمار امور کی عملی تفصیلات ہمیں سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہیں۔ اس لیے قرآن کو ماننا اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بے اعتنائی کرنا ایک ایسی روش ہے جو دین کے فہم کو ناقص کر دیتی ہے۔

واضح ہو کہ قرآن کریم کے بعد دوسرا نمبر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے یعنی اس مبارک طریقہ کا جس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی طرف کی گئی خواہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ارشادات ہوں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اعمال ہوں یا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریرات ہوں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک احوال ہوں اور ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کر کے اپنے شاگردوں کو عطا فرمایا اور ان سب لوگوں نے نہایت اہتمام سے اس کو حفظ یاد کر لیا اور بہت سے لوگوں نے لکھ کر بھی محفوظ کر لیا پھر ان کے تلامذہ نے اس کو مختلف طریقوں سے مدون و مرتب فرما کر امت پر احسان عظیم فرمایا جن میں امام زہری امام مالک عبد اللہ بن مبارک ربیع بن مبارک ربیع بن صبیح سر فہرست ہیں پھر تو محدثین کرام نے گوناگوں طریقوں سے کتابیں لکھ کر امت کے پاس پہنچا دیا اس طرح علم حدیث دوسری صدی کے شروع ہی سے مدون ہونا شروع ہو گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ دین فہمی حدیث مبارکہ کے بغیر ممکن نہیں اس لیے کہ قرآن کریم کی قولی و عملی تشریح حدیث مبارکہ کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارکہ کو قرآن سے الگ کر دیا جائے اور اس کے مستند ہونے کا انکار کیا جائے تو دین میں تحریف رائے زنی اور آزادی کے دروازے خود بخود کھل جاتے ہیں۔

یہ ایک المیہ رہا ہے کہ ہر دور میں مغربی افکار و نظریات سے متاثر تجدد پسند طبقہ حدیث مبارکہ کے حوالے سے بے اعتدالی کا شکار رہا ہے۔ اور ذہنوں میں در پیش شکوک و شبہات (جن کی بنیاد در اصل شیطانی شکوک و شبہات ہیں ہیں) کو بنیاد بنا کر سرے سے حدیث کے انکار کی جرات کر دی جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت در اصل دین کا وہ روشن راستہ ہے جس پر چل کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگیاں سنواریں اور پھر اسے تابعین اور تبع تابعین تک پہنچایا۔ ان بزرگوں نے حدیث کی حفاظت میں جو محنتیں کیں سفر کیے تکالیف برداشت کیں اور اپنی زندگیاں اس عظیم مقصد کے لیے وقف کیں وہ تاریخِ اسلام کا ایک بے مثال باب ہے۔

محدثینِ کرام نے راویوں کے حالات ان کی سچائی حافظے اور ملاقات تک کی تحقیق کی تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کسی بات میں خیانت یا غلطی کی گنجائش نہ رہے۔

افسوس کہ موجودہ دور میں بعض لوگ بغیر علم کے حدیث کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں اور محض عقلی شبہات یا جدید افکار کی بنیاد پر صدیوں سے امت کے محدثین کی محنتوں کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ طرزِ فکر نہ صرف علمی اعتبار سے خطرناک ہے بلکہ دین کے بنیادی ماخذ کو کمزور کرنے کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے۔ اس لیے حدیث کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے اہلِ علم سے اچھی طرح رجوع کیا جائے معتبر کتبِ حدیث کا مطالعہ کیا جائے اور تحقیق و دیانت کے ساتھ اس موضوع کو سمجھا جائے۔

اللہ ربّ العزت ہمیں قرآن و سنت سے سچی محبت عطا فرما سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنے اور اسے اپنی زندگی میں اپنانے کی توفیق عطا فرما۔ آمین یارب العالمین۔

شرک کی مذمت احادیث کی روشنی میں

از: محمد سلمان العطاری
جامعۃ المدینہ فیضان عطار نیپال گنج

اسلام کی بنیاد عقیدۂ توحید پر قائم ہے اور شرک اس کی ضد، ایمان کے منافی اور تمام گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے۔ سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی شریعتوں میں بعض احکام مختلف رہے۔ کوئی چیز ایک شریعت میں جائز جب کہ دوسری میں ممنوع رہی لیکن شرک ایک ایسا گھناؤنا جرم ہے جو کسی بھی شریعت میں ایک لمحے کے لیے بھی روا (جائز) قرار نہیں دیا گیا۔

تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں کو توحید کی دعوت دی اور شرک سے بچنے کی تاکید فرمائی۔ شرک انسان کے عقیدے کو تباہ اور اس کی آخرت کو برباد کر دیتا ہے۔

*شرک کا مفہوم: * لغوی اعتبار سے شرک کے معنی کسی کو کسی کا شریک اور برابر ٹھہرانے کے ہیں۔ اور اصلاح شرع میں اللہ عزوجل کی الوہیت میں کسی کو شریک ماننا شرک کہلاتا ہے۔

چنانچہ حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمہ اپنی مشہور و معروف کتاب "شرحِ عقائد نسفیہ" میں تحریر فرماتے ہیں: "اَلاشتِراکُ هو اثباتُ الشريک فی الالوہیت بمعنی وجوب الوجود أو بمعنی استحقاق العبادة "۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں کسی کو شریک ٹھہرانا شرک ہے، کو واجب الوجود ماننا یا اسے عبادت کا مستحق سمجھنا شرک ہے۔ (شرحِ عقائد نسفیہ، ص 203، مکتبۃ المدینۃ العلمیۃ دعوت اسلامی)

کتب احادیث میں بھی شرک کی مذمت آئی ہے اور اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ان احادیث میں سے چند یہاں نوک قلم کی جارہی ہے تاکہ واضح ہو جائے۔

(1) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: "لاتُشرِكْ باللهِ شيئًا وإن قُتِلتَ و حُرِّقتَ "یعنی اللہ عزوجل کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا۔ اگرچہ تمہیں قتل کر دیا جائے یا جلا دیا جائے۔ (مسند امام احمد 249/8، حدیث: 22136)

(2) حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اللہ پاک کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أن تجعلَ للهِ نِدًّا وهو خَلَقَكَ "یعنی یہ کہ تم اللہ پاک کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ، حالاں کہ اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ (صحیح بخاری، حدیث: 4477)

اس فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوا کہ شرک تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے، کیوں کہ اس میں بندہ اپنے خالق و مالک کے حقِ الوہیت میں دوسرے کو شریک ٹھہراتا ہے۔

(3) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " مَن لَقِيَ اللهَ لايُشرِكُ به شيئاً دخل الجنةَ و مَن لَقِيَهُ يُشرِكُ به شيئاً دخل النارَ "ترجمہ: جو شخص اس حال میں اللہ پاک سے ملے کہ اس نے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو اس حال میں ملے کہ اس نے اللہ پاک کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا ہو وہ جہنم میں داخل ہوگا" (صحیح مسلم، حدیث: 93)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ نجات کی اصل بنیاد خالص توحید ہے، جب کہ شرک انسان کو ہمیشہ تباہی میں مبتلا کر دیتا ہے اگر وہ توبہ کیے بغیر مر جائے۔

4 حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: " قال الله تعالى: يا ابن آدم! لو أتيتني بقراب الارض خطايا، ثم لقيتني لا تشرك بي شيئا، لأتيتُك بقرابها مغفرةً"

یعنی اے ابن آدم! اگر تو زمین بھر گناہوں کے ساتھ میرے پاس آئے، پھر مجھ سے اس حال میں ملے کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو تو میں بھی اتنی ہی مغفرت کے ساتھ آؤں گا۔ (جامع ترمذی، حدیث: 3540)

(5) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ پاک کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " اجتنبوا السبع الموبقات " یعنی سات ہلاک کرنے والے گناہوں سے بچو۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ سات ہلاک کرنے والے گناہ کون سے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" الشركُ بالله" یعنی اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔ (صحیح البخاری، حدیث 2766، صحیح مسلم، حدیث 89/263) اس حدیث پاک میں شرک کا سب سے پہلے ذکر کیا جانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ تمام ہلاک کرنے والے گناہوں میں سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ ان کے علاوہ کتب احادیث میں متعدد مقامات پر شرک کی شدید مذمت، اس کی سنگینی اور اس سے سخت ممانعت کو نہایت واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ کروڑوں حنفیوں کے پیشوا امام اعظم حضرت سیدنا امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی مایہ ناز تصنیف" الفقہ الاکبر " میں تحریر فرماتے ہیں: "واللہ تعالیٰ واحد، لا مِن طریق العدد ولکن مِن طریق انہ لا شریک لہ" ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایک ہے، عدد کے اعتبار سے نہیں، بلکہ اس معنٰی میں کہ اس کا کوئی شریک نہیں۔

(الفقہ الاکبر، ص 21 مکتبۃ المدینۃ

آئین ملک کے آئین کو سمجھتے ہیں

1۔۔۔(Constitution as the fundamental اساسی دستور 1

یہ آئین نیپال کا بنیادی قانون ہے، اس آئین سے متصادم تمام قوانین عدم مطابقت کی حد تک باطل ہوں گے۔

۔اس آئین کو برقرار رکھنا ہر فرد کا فرض ہوگا۔

2 خود مختاری اور ریاستی اختیار state and Sovereignty) (authority

نیپال کی خود مختاری اور ریاستی اختیار نیپالی عوام کے سپرد ہے۔ جس کا استعمال اس آئین کے مطابق کیا جائے گا۔

قوم 3.:(Nation) (مختلف جغرافیائی علاقوں میں رہنے والے لوگوں کی عام خواہشات کے ساتھ کثیر النسل کثیر السان، کثیر المذہب، اور کثیر التہذیب جیسی خصوصیات کو اپنا کر اور قومی اتحاد، علاقائی سالمیت، قومی مفاد، اور نیپال کی خوشحالی کے لیے پابند و متحد ہو کر تمام اہل یا اجتماعی طور پر قوم کی تشکیل کریں۔

4 نیپال کی ریاست of State) (Nepal

نیپال ایک آزاد، ناقابل تقسیم، خود مختار سیکولر جامع جمہوری، سوشلزم پر مبنی ایک وفاقی جمہوری ملک ریاست ہے۔

سارن میں سلسلۂ چشتیہ کا ایک عظیم صوفی: شاہ عبدالحمید چشتی

ڈاکٹر محمد ولی اللہ قادری استاد گورنمنٹ انٹر کالج
ضلع اسکول چھپرا بہار 9852234311

خطۂ سارن یوں تو جملہ سلاسل طریقت کے فیوض و برکات سے مالا مال ہوا ہے، لیکن سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں کے فیضان کا سبحان اللہ کیا کہنا؟ سارن کمشنری کا ہیڈ کوارٹر شہر چھپرا میں واقع تاریخی مقام کریم چک مشہور چشتی بزرگ حضرت عبدالکریم چشتی مالک پوری رحمتہ اللہ علیہ کے نام پر ہے- ان کے خاندان کے بعد کے بزرگوں کے مزارات اس بات پر شاہد عدل ہیں- اس مختصر مضمون میں سلسلہ چشتیہ کے ایک قابل ذکر بزرگ حضرت شاہ عبدالحمید چشتی علیہ الرحمہ کے حوالے سے گفتگو کی کوشش ہوگی انشاءاللہ-

حضرت شاہ عبدالحمید چشتی قدس سرہ کا وطن چھپرا شہر سے 15 کلو میٹر دور خدائی باغ کے نزدیک واقع بستی خواجہ سرائے ہے- بے سیار تلاش و جستجو کے باوجود ان کی تاریخ پیدائش نہیں مل سکی البتہ اتنا ضرور معلوم ہوا کہ وہ مذہبی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم بھی جانتے تھے- آپ کی پیدائش وپرداخت رئیسانہ ماحول میں ہوئی- آپ کے والد کا مکان ڈھائی بیگھہ میں تھا اور اس میں زندگی کی ہر سہولیات میسر تھیں - انگریز افسران، والی بال کھیلنے ان کے یہاں آتے تھے- جس طرح مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمتہ اللہ علیہ نے نے بادشاہت کو ترک کر فقیری اختیار فرمائی اسی طرح شاہ عبدالحمید نے شاہانہ رہن سہن کو فقیری پر ترجیح دی- خواجہ سرائے باشندہ اور مشہور عالم دین عزیز القدر مولانا مرشد عالم امجدی ناظم تعلیمات دارالعلوم نعیمیہ جامع مسجد صاحب چھپرا نے بتایا کہ انہوں نے بستی کے بوڑھے بزرگ سے سنا ہے کہ "حضرت شاہ عبدالحمید چشتی کی حالت و کیفیت حضرت بشر حافی جیسی تھی- بستی میں ایک مجذوب بزرگ کی آمد ہوئی اور انہوں نے اپنی چادر کو شاہ عبدالحمید کے جسم پر ڈالا اور اس کو کھینچا اس کے بعد سے شاہ عبدالحمید چشتی کی زندگی بدل گئی"-

حضرت شاہ عبدالحمید چشتی سلسلہ چشتیہ اصدقیہ فیاضیہ کے بزرگ تھے- ان کے سلسلے میں شاگرد حافظ ملت، حضرت مولانا سید رکن الدین اصدق مصباحی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"عمدۃ المشائخ حضرت صوفی شاہ عبدالحمید خدائی باغ پوسٹ آفس فس کے بڑا بابو تھے - جہاں خدائی پیر کا مزار شریف بھی ہے- آپ روزانہ خدائی پیر کے مزار پر حاضری دے کر گھر جاتے- چنانچہ ایک روز آفس سے نکلے اور خدائی پیر کے مزار سے غائب ہو گئے اور دربدر کی خاک چھانتے ہوئے اجمیر شریف پہنچ گئے- ایک عرصہ کے بعد بشارت ہوئی کہ بہار شریف جاؤ، خواجہ اعتبار سرائے میں تمہارا حصہ ہے-

اجمیر شریف سے اس بشارت کے بعد افتاں و خزاں خواجہ اعتبار سرائے پہنچے- یہاں پیر و مرشد نے آپ کی آمد کی پہلے ہی خبر دے دی تھی - فیاض المسلمین (حضرت فیاض الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ) کے دست اقدس پر بیعت کرنے کے بعد آپ کی بے کلی اور جذبی کیفیات دور ہو گئی- اس کے بعد پیر و مرشد نے اجازت وخلافت سے نواز کر اشاعت سلسلہ کا حکم فرمایا- آستانہ شیخ سے رخصت ہو کر پہلے گھر آئے- اس کے بعد پٹنہ پہنچ کر سید فتح علی صاحب ٹرانسپورٹ کمشنر کے بنگلہ واقع محلہ چھجو باغ کو اپنا مستقر بنایا-

آپ سے سلسلے کی کافی اشاعت ہوئی- بڑے بڑے آفیسران آپ کے مریدوں میں تھے- آپ سے میری ملاقات رہی ہے- کافی شکیل و وجیہ آدمی تھے- آستانہ چشتی چمن باغ پیر بیگھہ شریف برابر تشریف لاتے رہتے تھے اور کئی کئی روز قیام فرماتے تھے- آپ نے شادی نہیں کی- بھائی کی اولاد کو گلے لگا کر رکھا"-(حیات اصدق باب پنجم صفحہ ۵۳۵،۵۳۶)

علامہ سید رکن الدین اصدق مصباحی کے اس اقتباس سے بہت ساری اطلاعات تحریری طور پر مل جا رہی ہیں- صوفی عبدالحمید چشتی اصدقی جب حالت سکر میں ہوتے تو طرح طرح کی کرامات کا صدور ہوتا تھا- مشہور ادیب، ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ یافتہ شاعر اور مشہور محقق پروفیسر ڈاکٹر ظفر کمالی سبکدوش استاد ذکیہ آفاق اسلامیہ کالج، سیوان اپنی دادی سے سنی باتوں کو بیان کرتے ہیں کہ "شاہ عبدالحمید چشتی ہفتوں بغیر کچھ کھائے پیے رہتے- مکئی کے ریٹھا کے ڈھیر میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہتے تھے"- حضرت شاہ عبدالحمید چشتی پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم اور پیر و مرشد کی عنایت رہی کہ بڑے بڑے آفیسرز حتی کہ ججز حضرات بھی آپ کے گرویدہ ہوئے اور آپ کے فیض سے مالا مال ہوئے- اس سلسلے میں ایک جج اور معتبر شخصیت کو بہ طور مثال پیش کرتا ہوں - ادبی و علمی دنیا کے لیے بابائے جمالیات پروفیسر شکیل الرحمان کا نام محتاج تعارف نہیں- ان کے بڑے بھائی جناب عنایت الرحمان عنایت سابق جج آپ کے چہیتے مرید و خلیفہ تھے - عنایت الرحمن عنایت نعمت العلماء حضرت مولانا محمد نعیم الدین نعمت چھپروی کے ہم عصر اور رفیق بھی تھے - ان کے صاحبزادے جسٹس سہیل الرحمن شاہ عبدالحمید چشتی کے سلسلے میں رقم طراز ہیں:

"چھپرہ کے قیام میں ایک واقعہ نے بعد میں ان (عنایت الرحمن عنایت) کی زندگی یکسر بدل ڈالا- ابا جان جس کوارٹر میں رہتے تھے اس کے سامنے دوسرے کوارٹر میں ایک اور منصف محمودی صاحب رہا کرتے تھے- ان کے یہاں ایک بزرگ حضرت شاہ عبدالحمید صاحب رحمتہ اللہ علیہ تشریف لایا کرتے تھے- ابا جان سے بھی ان کی گاہ بگاہ ملاقات ہو جایا کرتی تھی- سنہ ۱۹۴۵ء میں ابا جان کا تبادلہ ڈالٹین گنج ہو گیا- جب سب سامان پیک ہو گیا اور جانے کا پروگرام بن گیا تو وہ بزرگ ابا جان کے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے کہ کسی طور پر بھی ڈالٹین گنج کا تبادلہ کینسل کرا دیں- لیکن ملازمت کی مجبوری کی وجہ سے ابا جان نے اپنی معذوری ظاہر کی- اس پر انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے مشیت نہیں بدلتی پھر بھی اگر آپ وہاں جائیں تو شکار نہیں کھیلیں گے اور جانے سے قبل ان سے ایک ایک تعویذ لے لیں گے- انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر اس پر ابا جان نے عمل نہیں کیا تو وہ ایسے ایسے صدمے اٹھائیں گے جو زندگی بھر یاد رکھیں گے ان بزرگ کی بات کو ابا جان نے کوئی اہمیت نہیں دی اور حالات کچھ ایسے ہو گئے کہ ان بزرگ سے ملاقات کیے بغیر چھپرہ سے چلا جانا پڑا- ابا جان ہم سب لوگوں کو لے کر ڈالٹین گنج چلے آئے- ڈالٹین گنج شکاروں سے بھرا ہوا علاقہ تھا اور اتفاق سے میرے ایک نانا مولوی سید علی کریم عرف میاں نانا وہاں خاص محال آفیسر تھے- اس طور پر جنگل میں ان کا پورا آنا جانا ودورہ تھا- اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دن میں کچہری کا کام اور رات میں شکار- یہی زندگی ڈالٹین گنج کی میں ہو کر رہ گئی- ۱۱ اپریل سنہ ۱۹۴۶ء کو میرے بڑے بھیا خورشید محمد جان جو صرف بارہ برس کے تھے اور انہیں شکار کھیلنے کا شوق ہو گیا تھا، بندوق بھر کر چڑیا مارنے کے لیے بندوق کا گھوڑا مسہری پر بیٹھ کر چڑھا رہے تھے کہ پاؤں پھسل گیا اور گولی سینہ کے پار ہو گئی اور وہ وہیں پر جاں بحق ہو گئے"-(بستان رنگا رنگ صفحہ ۳۵، مطبوعہ ۱۹۸۵ء)

اوپر کے اقتباس کے مطالعہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ شاہ عبدالحمید چشتی اصدقی صاحب کشف بزرگ تھے- اپنے کشف کے ذریعے جس بات کا اظہار فرمایا وہ ہو گیا اور بہت جلد ہی مولوی عنایت الرحمن عنایت کی مشکلات کا آغاز ہو گیا- بارہ سالہ بیٹے کی موت تو ہوئی ہی ان کا تبادلہ ہزاری باغ ہو گیا- ہزاری باغ کے واقعہ کو ان کے صاحبزادے اور ضلع اسکول چھپرا بہار کے رہے طالب علم سہیل الرحمن کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

شام کو جب ہم لوگ کمرہ میں ابا جان کے گرد بیٹھے کہانیاں سن رہے تھے کہ یکایک معلوم ہوا کہ چھت پر بم چھوٹا- ہم سب لوگ باہر آئے تو معلوم ہوا کہ چھت پر پتھر گرا ہے - اس کے بعد تو چھت پر پتھروں کی بارش شروع ہو گئی- خبر سن کر علی جواد صاحب سب جج بھی بازو کے کوارٹر سے چلے آئے- پہلے یہی خیال ہوا کہ شاید بدمعاشوں کی یہ حرکت ہے- علی جواد صاحب نے وارننگ دے کر ہوائی فائر کیا- اس فائر کا جو جواب آیا وہ مجھے بھی اب تک یاد ہے جبکہ میں اس وقت صرف چھ برس کا تھا- اس کے جواب میں اتنا زوردار پتھر آیا کہ جواد صاحب آنگن میں بندوق چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے- بہر حال پولیس کو خبر کی گئی محبوب عالم صاحب جو بعد میں کمشنر ہوئے، اس وقت وہاں ایس ڈی او تھے- پولیس فورس آئی لیکن پتھراؤ میں کسی طرح کی کمی نہیں ہوئی- بارہ بجے رات کے بعد بند کمروں کے اندر پتھر کی بارش ہوئی- اس کے بعد خیال ہوا کہ یہ مافوق الفطرت ہستی کا کام ہے-

تب اماں جان نے سورہ جن کی تلاوت شروع کی- ساتویں بار تلاوت کرنے کے بعد پتھر کا گرنا تین بجے پھیل گئی"-(بستان رنگا رنگ صفحہ ۳۷) ہزاری باغ میں موجود ایک مجذوب بزرگ نوٹ شاہ کی وجہ سے عنایت الرحمن عنایت کے کوارٹر میں عارضی طور پر جن کا اثر کم ہو گیا لیکن تین ماہ کے بعد پھر وہی معاملہ سامنے آیا- کہتے ہیں کہ اگر کوئی انعام ملنے کو ہوتا ہے تو پہلے طرح طرح کی آزمائش کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے- یہ مرحلہ شاہ عبدالحمید میں کے چہیتے معتقد کے ساتھ بھی آیا- ان پر خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کے فیضان کی بارش کیسے ہوئی، ان اسباب کے لیے یہ اقتباس دیکھیں:

"تین مہینے سکون سے گزرے ہوں گے کہ ایک دن پھر پتھر گرنے لگا- لوگوں نے ابا جان کو پھر نوٹ شاہ کے پاس جانے کو کہا- مایوسی نے ان کو پوری طرح گھیر رکھا تھا- وطن میں رہے تو کسی طرح کا سکون وآرام نہ ملا - ملازمت میں آئے اور غریب الوطنی اختیار کی تو چند سال سکون کے بعد ہی آفتیں شروع ہو گئیں- پہلی آفت تو یہ کہ بیٹا چلا گیا اور اس کے بعد اس مصیبت میں مبتلا کیے گئے - اس شام انہوں نے کھانا نہیں کھایا- مغرب کی نماز کے بعد جو مصلے پر بیٹھے تو عشاء تک بیٹھے رہے اور خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کے نام فاتحہ پڑھ کر عرض کی کہ آپ غریب نواز ہیں ہم غریب الوطن ہیں- کچھ تو غریب نوازی فرمایئے- یہ التجا کر کے وہ سو گئے- دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے- اور دل سے بات اس وقت تک نکل ہی نہیں سکتی جب تک دل شکستہ نہ ہو- اسی لیے تو اقبال نے کہا ہے:

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

ابا جان کی یہ فریاد در خواجہ تک پہنچ گئی- رات کو انہوں نے خواب میں چھپرا والے بزرگ حضرت شاہ عبدالحمید صاحب رحمت اللہ علیہ کو دیکھا حضرت شاہ عبدالحمید صاحب رحمت اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ ابا جان کے سر پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہیں- چند دنوں کے بعد شاہ صاحب کا جن کو بعد میں ہم "حضرت" کہنے لگے خط آیا کہ وہ خدائی باغ چھپرہ سے جہاں وہ پوسٹ ماسٹر تھے فرقہ وارانہ فساد کی وجہ سے احتیاطاً اجمیر شریف چلے آئے ہیں اور وہ ابا جان کے پاس آنا چاہتے ہیں- ابا جان نے فوراً منی آڈر سے روپیہ بھیج دیا- چنانچہ چند دنوں کے بعد "حضرت" ہزاری باغ تشریف لائے اور کہا کہ خواجہ کا حکم ہے کہ ابا جان کو سلسلۂ چشتیہ میں مرید کر لیا جائے- ابا جان نے اس حکم پر لبیک کہا اور فوراً مرید ہو گئے"-(بستان رنگا رنگ صفحہ ۳۸ و ۳۹)

پیش نظر اقتباس کے مطالعہ کے بعد حضرت شاہ عبدالحمید چشتی اصدقی کے متعدد کشف واضح واضح ہو رہا ہے- کشف کے ذریعے اپنے معتقد کی پریشانی پر مطلع ہونا اور خواب میں تشریف لا کر تسلی دینا یہ سب رات میں بند ہو گیا- لیکن صبح سات بجے سے پھر پتھر کا گرنا شروع ہو گیا پورے شہر میں یہ خبر آگ کی طرف واقعات اہل سنت کے پیروکار کے ایمان وعقیدے کو بالیدگی عطا کر رہے ہیں- سچا پیر وہی ہے جو اپنے مرید کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دے اور یہ بات بلا خوف و خطر کہہ سکتا ہوں کہ شاہ عبدالحمید چشتی صوفی برحق تھے جیسا کہ درج ذیل اقتباس سے واضح ہو رہا ہے- جسٹس سہیل الرحمن لکھتے ہیں کہ:

"مرید ہونے کے بعد کلب چھوٹا برج کا کھیل چھوٹا اور ابا جان کی زندگی میں ایک نیا راستہ ڈھونڈ لیا اور ظاہر ہے کہ جب ذہنی راؤ بدلی تو اس کا اثر شاعری پر بھی ہونا تھا چنانچہ سنہ ۱۹۴۶ء سے ابا جان نے باقاعدہ نعت شریف کہنا شروع کیا"-(بستان رنگا رنگ صفحہ ۴۰)

واضح رہے کہ شاہ عبدالحمید چشتی اصدقی نے اپنے مرید و خلیفہ کو اس قدر نوازا کہ محض ان کی زندگی ہی نہیں بدلی بلکہ ان سے بھی سلسلۂ چشتیہ اصدقیہ کا خوب خوب فروغ ہوا- غیر تو غیر اپنے خاص بھانجے پروفیسر نجم الہدی مرحوم سابق صدر شعبہ اردو بہار یونیورسٹی مظفر پور و سابق صدر شعبہ عربی و فارسی مدراس یونیورسٹی کرناٹکا آپ سے مرید ہوئے- یہ بتانے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے کہ عصری جامعات میں رہ کر پروفیسر ڈاکٹر نجم الہدی چشتی نے اردو زبان وادب کی کی جو خدمات انجام دیں وہ ناقابل فراموش ہیں- ان کے شاگردوں میں پروفیسر فاروق احمد صدیقی بھی ہیں جو ماہر رضویات کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں- لہذا مولانا سید رکن الدین اصدق مصباحی رحمتہ اللہ علیہ نے شاہ عبدالحمید چشتی اصدقی کے بارے میں جو فرمایا ہے، وہ حقیقت پر مبنی ہے- شاہ عبدالحمید چشتی اصدقی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے فیضان سے اہالیان علم وادب اور آفیسرز کو ہی مستفید نہیں فرمایا بلکہ عوام اور غریب مسلمانوں کو بھی - حضرت "سیر وافی الارض" پر بھی کاربند تھے اسی سبب اجمیر شریف اور مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہ کی نگری بہار شریف کے علاوہ دوسرے شہروں کا دورہ فرماتے اور حالت جذب میں رہتے- حالت جذب میں جب ہوتے تو کلکتہ بھی جاتے ایک مرتبہ رسڑا ضلع ہگلی بھی تشریف لے گئے- وہاں چھپرا بالخصوص بھوال پور تھانہ مڑھورہ کے باشندگان بھی تھے- ان لوگوں نے حضرت کو پہچان لیا اور حضرت کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہتے- حضرت کی دعاؤں کی برکت سے بھوال پور والوں کے کاروبار اور تجارت میں خوب برکت ہوئی- اس لیے اخیر عمر میں حضرت کو کہیں جانے نہیں دیا حضرت بھوال پور میں ہی رہے اور وہیں یکم ربیع الاول شریف ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۹۶۸ء کو وصال فرمایا اور اسی بستی میں آپ کا مزار بنا جو آج بھی مرجع خلائق ہے- حضرت کے مزار پر مورخہ ۲۲ ربیع الاول شریف ۱۴۴۷ھ مطابق ۱۵ ستمبر ۲۰۲۵ء کو عزیز القدر مولانا محمد مرشد عالم امجدی سلمہ کی معیت میں خاک سار کی حاضری ہوئی اور وہاں کہ لوگوں سے حضرت سے متعلق تحقیق کی تو کوئی خاص اطلاع نہیں ملی البتہ ان کے مزار شریف کی دیکھ بھال کرنے والے جناب مجاہد خاں عرف ہرن خاں بن حاجی محمود خاں سبکدوش ڈسٹرکٹ ناظر گوپال گنج نے جو بتایا وہ حاضر خدمت ہے:

شاہ عبدالحمید چشتی ہمارے دادا شاہ محمد خاں میں دوستی ہوگئی تھی- دوستی اس قدر تھی کہ شاہ محمد خاں کا وصال حضرت کی زندگی میں ۱۳۸۶ھ میں ہو گیا تو اس کے بعد بھوال پور میں ہی رہنے لگے اور وصیت فرمائی کہ انتقال کے بعد میری قبر یہیں بنائی جائے- شاہ محمد خاں کے انتقال کے دو سال بعد حضرت کا وصال ہوا- وصال کے بعد تدفین کے سلسلے میں اختلاف ہو گیا- خاندان کے لوگ اپنے یہاں لے جانا چاہتے تھے جب کہ بھوال پور والے بضد تھے حضرت کا مزار یہیں بنے- جنازے میں شرکت کے لیے جسٹس عنایت الرحمن عنایت بھی آئے ہوئے تھے انہوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت کی وصیت پر عمل کیا جائے لہذا حضرت کے رفیق دیرینہ شاہ محمد خاں کے بغل میں قبر بنی- جب تک صحت کام کرتی رہی عنایت الرحمن عنایت صاحب آتے رہے اور ہمارے خاندان سے تعلق رکھا ان کے صاحبزادے جسٹس سہیل الرحمن بھی رشتہ استوار رکھا- ہمارے والد حاجی محمود خاں مرحوم برولی ضلع گوپال گنج میں بڑا بابو تھے اس وقت سہیل الرحمن صاحب سیوان میں جج تھے، وہ بروولی والد صاحب سے ملاقات کی غرض سے تشریف لائے- لوگوں کو حیرت ہوئی کہ ایک بڑا عہدے کا مالک ایک کلرک سے ملنے آیا ہے - اس پر سہیل الرحمن صاحب نے فرمایا کہ روحانی رشتہ عہدہ سے بڑا ہوتا ہے -"

یہ بھی عجب اتفاق رہا کہ شاہ عبدالحمید چشتی اصدقی رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت سے غافل رہا حالاں کہ عنایت الرحمن عنایت کی شناسائی چھپرا میں قیام کے فوراً بعد ہی شہزادہ نعمت العلماء، بلاغ المبین نور اللہ مرقدہ کے ذریعے سے ہو گئی تھی- بھلا ہو پروفیسر ظفر کمالی سبکدوش استاد اسلامیہ کالج سیوان کا کہ ایک روز دوران گفتگو فرمایا کہ بھوال پور جانے کا ارادہ ہے کہ وہاں ہمارے دادا کے بھائی عبدالحمید کا مزار ہے اور متعدد بار وہ خواب میں زیارت کرا چکے ہیں- اس کے بعد شاہ عبدالحمید چشتی کے سلسلے میں تحقیق شروع کی اور الحمد للہ یہ مضمون تیار ہو گیا ہے- اس مضمون کی تیاری میں پروفیسر ڈاکٹر علی رفاد فتیحی سبکدوش پروفیسر شعبہ لسانیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا تقاضا بھی شامل ہے کہ انھوں نے ایک ملاقات میں فرمایا کہ آپ سارن کے صوفیائے کرام کے حوالے سے تحقیق کریں - بہر حال اللہ پاک سے دعا ہے کہ حضرت شاہ عبدالحمید چشتی اصدقی رحمتہ اللہ علیہ کے فیوض و برکات سے سبھوں کو مالا مال فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم-

*تاریخ کی حفاظت اور نئی نسل کی تربیت

عاصم نعیم انصاری ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام ضلع پریشد اردو ہائی اسکول پرتور ضلع جالنہ

مسلمانوں کی تاریخ ایک انمول خزانہ ہے جس میں قربانیوں جدوجہد کامیابیوں اور حوصلہ مندی کے بے شمار واقعات شامل ہیں۔ یہ صرف ماضی کی کہانیاں نہیں بلکہ ایک ایسا ورثہ ہے جو ہماری شناخت کو محفوظ رکھتا ہے اور ہمیں موجودہ حالات میں درست فیصلے کرنے کی راہ دکھاتا ہے۔ ایک معلم سے ہونے والی گفتگو میں اس بات پر زور دیا گیا کہ تاریخ کو صرف کتابوں میں محدود نہ رکھا جائے بلکہ اسے ہندی اور انگریزی میں بڑے پیمانے پر ترجمہ کر کے عام کیا جائے تاکہ نئی نسل اس سے بخوبی واقف ہو..............

تاریخ کی بقا..........

تاریخ کا مطالعہ قوموں کی بقا کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ پانی زندگی کے لیے۔ اگر کسی قوم کو اس کی اصل تاریخ سے محروم کر دیا جائے تو وہ اپنی شناخت کھو بیٹھتی ہے. اور اس کی فکری بنیادیں کمزور ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کی حکومتیں اور طاقتیں تاریخ کو مسخ کرنے اور اسے پس پشت ڈالنے کی کوشش کرتی ہے۔ ہمارے رہنماؤں کو بھلایا جا رہا ہے. اور تاریخی حقائق کو غلط انداز میں پیش کیا جا رہا ہے....... تاریخ کے فروغ کے لیے عملی اقدامات اس لئے ضروری ہیں کہ تاریخی

کتب کے ترجمے

مسلمانوں کی تاریخ پر لکھی گئی کتابیں زیادہ تر عربی فارسی یا اردو میں ہیں جبکہ آج کے دور میں ہندی اور انگریزی بولنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اگر ان کتابوں کے معیاری ترجمے کیے جائیں تو زیادہ سے زیادہ لوگ ان سے مستفید ہو سکتے ہیں. اور صحیح معلومات تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں......

تاریخی کتابوں کا تحفظ اس لئے ضروری ہے. کہ کئی نایاب کتابیں ایسی ہیں جو اب بازار میں دستیاب نہیں یا بہت کمزور حالت میں موجود ہیں۔ ضروری ہے کہ ہر مسلمان اپنے گھروں میں ایسی کتابوں کو محفوظ کرے مدارس اور لائبریریوں میں ان کا ذخیرہ کیا جائے اور ڈیجیٹل فارمیٹ میں بھی ان کو محفوظ کیا جائے تاکہ آنے والی نسلیں ان سے محروم نہ ہوں......

بچوں کو تاریخ سے روشناس کرانا والدین کو چاہیے کہ اپنے بچوں کو اسلامی تاریخ کے بارے میں ذاتی طور پر آگاہ کریں۔ اس کے لیے کہانیوں ویڈیوز اور دیگر دلچسپ ذرائع کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے نصاب میں اگر اسلامی تاریخ کو کمزور کیا جا رہا ہے تو ہمیں خود اس کمی کو پورا کرنا ہوگا........

تعلیمی اداروں میں تاریخ کی ترویج مدارس اور اسکولوں میں ایسی سرگرمیاں ہونی چاہئیں جن میں طلبہ تاریخ کے اہم اسباق سیکھیں۔ سیمینارز ورکشاپس اور مباحثوں کے ذریعے تاریخی شعور بیدار کیا جا سکتا ہے۔.......

تاریخ کسی بھی قوم کی شناخت اور اس کے وجود کا بنیادی ستون ہوتی ہے۔ اگر ہم اپنی تاریخ کی حفاظت نہ کریں اور اسے اگلی نسلوں تک منتقل نہ کریں تو ہماری آنے والی نسلیں اپنی اصل سے ناواقف ہو جائیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ کو صرف کتابوں میں محفوظ رکھنا کافی نہیں بلکہ اسے عملی طور پر زندہ رکھنے اور اپنی زبان میں عام کرنے کی ضرورت ہے۔

تاریخ ہمیں ماضی کی کامیابیوں اور ناکامیوں سے سیکھنے کا موقع دیتی ہے۔ یہ ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتی ہے کہ ہمارے آباؤاجداد نے کن حالات کا سامنا کیا کس طرح

ترقی کی اور کن اسباب نے انہیں زوال کی طرف دھکیلا۔ اگر ہم اپنی تاریخ سے سبق نہیں لیں گے تو وہی غلطیاں دہرائیں گے جو پہلے کی گئیں اور یوں ہماری شناخت مٹنے کا خدشہ پیدا ہو جائے گا....... کتابیں تاریخ کو محفوظ رکھنے کا ایک بہترین ذریعہ ہیں مگر صرف یہی کافی نہیں۔ تاریخ کو عام لوگوں تک پہنچانے کے لیے ہمیں عملی اقدامات کرنے ہوں گے.....

جیسے تعلیمی نصاب میں تاریخ کا فروغ ہمارے تعلیمی اداروں میں ایسی تاریخ پڑھائی جانی چاہیے جو سچائی پر مبنی ہو نہ کہ صرف مخصوص بیانیے کو فروغ دینے والی۔ طلبہ کو اپنے قومی رہنماؤں اور تاریخی واقعات سے روشناس کرانا ضروری ہے.......

تاریخ کو زبان و ثقافت کے ذریعے محفوظ کرنا........

ہر قوم کی تاریخ اس کی زبان ادب لوک کہانیوں اور ثقافت میں چھپی ہوتی ہے۔ اگر ہم اپنی زبان کو چھوڑ کر دوسری زبانوں پر انحصار کریں گے تو ہماری تاریخ دھیرے دھیرے ختم ہو جائے گی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی مادری زبان میں تاریخی مواد کو زیادہ سے زیادہ عام کریں......

آج کا دور ٹیکنالوجی کا دور ہے اور ہمیں اپنی تاریخ کو محفوظ رکھنے کے لیے ڈیجیٹل ذرائع جیسے کہ ویڈیوز ویب سائٹس ڈاکیومنٹری فلمز اور سوشل میڈیا کا استعمال کرنا چاہیے تاکہ نوجوان نسل تک آسانی سے معلومات پہنچ سکے.....

تاریخی مقامات کی حفاظت

ہمارے تاریخی ورثے جیسے قلعے مساجد مندر اور دیگر آثار قدیمہ ہماری تاریخ کے جیتے جاگتے ثبوت ہیں۔ اگر ہم ان کی حفاظت نہیں کریں گے تو ہماری شناخت کے نشان بھی مٹ جائیں گے......

مشاعرے ڈرامے اور میلوں کا انعقاد کرنا بھی بہت ضروری ہے. تاریخ کو محض کتابوں میں رکھنے کے بجائے اسے ثقافتی تقریبات کے ذریعے زندہ رکھنا چاہیے۔ مشاعروں تھیٹر اور میلوں کے ذریعے نئی نسل کو اپنی تہذیب و تاریخ سے جوڑنے کا بہترین موقع فراہم کیا جا سکتا ہے......

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری آنے والی نسلیں اپنی شناخت برقرار رکھیں تو ہمیں اپنی تاریخ کی حفاظت کرنی ہو گی۔ یہ تبھی ممکن ہے جب ہم اسے محض کتابوں تک محدود نہ رکھیں بلکہ عملی طور پر اسے اپنی زندگی میں شامل کریں اپنی زبان میں عام کریں اور جدید ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہر ممکن طریقے سے محفوظ رکھیں۔ یہی ہماری بقا اور ترقی کا واحد راستہ ہے......

غزل

شیشہ گر کی بستی میں امتحان پتھر کا
ہے زمین پتھر کی آسمان پتھر کا

کانچ سے بنی چیزیں گھر میں کیسے لاؤ گے
پتھروں کی چوکھٹ ہے سائبان پتھر کا

سَنگ لاخ دھرتی پر پھول بھی ہیں پتھر کے
ہیں شگوفے پتھر کے باغبان پتھر کا

سنگ باری ہوتی ہے جس طرف بھی چلتا ہوں
لڑکھڑاتی دیواریں ہر مکان پتھر کا

مِیل کا یہ پتھر ہے راستہ بتائے گا
اعتبار کر لینا میری جان پتھر کا

تیری کشتی کا عالمؔ ڈوبنا یقینی ہے
ناخدا نے باندھا ہے بادبان پتھر کا

آفتاب عالمؔ شاہ نوری
کروشی بلگام کرناٹک
8105493349